قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیارکم خیارکم لنسائکم۔ رواہ الترمذی

رسول اللہ نے فرمایا ہے کہ تم میں اچھے لوگ وہی ہیں جو اپنی بیبیوں سے اچھا برتاؤ رکھتے ہیں

حقوق النسوان

جسکو

مولوی سید ممتاز علی صاحب مالک مطبع رفاہ عام نے تصنیف کیا

اور

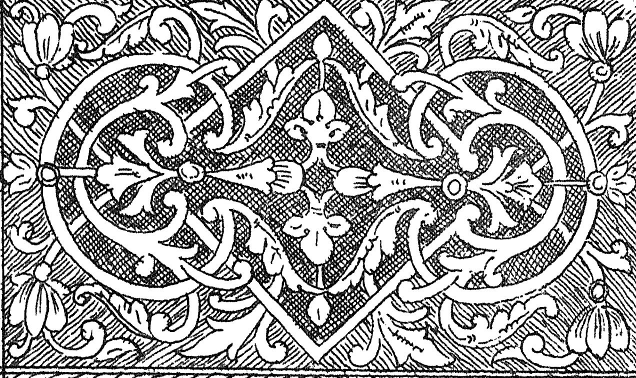
دار الاشاعت پنجاب نے

سنہ ۱۸۹۸ء

مطبع رفاہ عام لاہور مین چھپوایا

فہرست مضامین

حقوق النسوان



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامدًا و مصلیًا۔ ان چند اوراق میں مینے اپنے اُن خیالات کی توضیح کی کوشش کی ہے جو میں عرصہ سے عورات کے حقوق کی نسبت رکھتا تھا۔ اگرچہ میرے اور خیالات میں رفتہ رفتہ بہت تبدیلیاں وقتاً فوقتاً ہوتی رہی ہیں مگر خاص ان خیالات میں کسی قسم کی کمی یا ضعف واقع نہیں ہوا۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ ان خیالات نے میرے مزاج میں پختگی و استقلال و استحکام حاصل کرلیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ ان خیالات کے اظہار اور اُن پر عملدرآمد ہونے سے ہماری قوم کی تمدنی حالت میں معتدبہ اصلاح ہوسکیگی۔ اس لئے میں ان خیالات کو عام میں شایع کرنے کی جرأت کرتا ہوں +

میں خوب جانتا ہوں کہ ان خیالات کو انگریزوں کی تقلید اور اس سے بھی زیادہ کریہ ناموں سے موسوم کیا جائیگا اور سیکڑوں قلم اس کی تردید اور میری تضحیک پر اُٹھیں گے اور جو کچھ

سزا و ناسزا انسان کے دو ہونٹوں سے نکل سکتا ہے وہ میرے حق میں نکلیگا۔ مگر جو لوگ اپنے دلوں میں احکامِ شریعت کی وقعت اور عظمت رکھتے ہیں اور جو لوگ اپنے اتقاء اور غیرت اور ناموس کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور خاندانِ نبوی کے اتقاء اور غیرت اور ناموس سے کم سمجھتے ہیں وہ بیدھڑک طریقِ شرعی پر چلنے کے لئے تیار ہونگے۔ اور ہر فرومایہ وسفلہ کے استہزاء اور ہر ذلیل وجاہل عامی کے طعن وتشنیع سے برہم مزاج وآشفتہ خاطر نہ ہونگے ٭

اگر میری اس ناچیز تحریر کے اثر سے تمام ہندوستان میں ایک بُڑھیا کے حق کی بھی حفاظت ہوجائیگی تو میں سمجھونگا کہ میں نے اپنا صلہ بھر پایا۔ واللہ المُستعان وعلیہ التکلان ٭

عورات

اور اُن پر مردوں کی جھُوٹی فضیلت

مرد اور عورت ایک نوع انسان کی افراد ہیں۔ اُن میں باہم من حیث الانسان ایک کو دوسرے پر کسی قسم کی ترجیح نہیں ہوسکتی۔ البتہ وہ چند خصوصیات جو مرد کو عورت سے متمیز کرتی ہیں مقتضی اس امر کی ہیں کہ اُن کے فرایض اور طریق تمدن میں بھی صرف بقدر اُن خصوصیات کے تفاوت ہو۔ اس قسم کے تفاوت کے سوا جو عورت اور مرد کے خلقی فرق پر مبنی ہے جس قدر اور اختلافات پائے جائینگے۔ یا ایک کو دوسرے پر ترجیح دینے کے لئے کوئی امور ثابت کئے جائینگے اُن سب کی بناء محض اختلاف تشخصات و اختلاف صنفیت پر ہوگی اور ظاہر ہے کہ اس قسم کے فرق محض اتفاقی اور عارضی اور غیر معتبر ہوتے ہیں۔ اور اختلاف مسکن و اختلاف آب وہوا و اختلاف عمر

و اختلاف تمدّن وغیرہ اسباب سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ثابت کرینگے کہ موجودہ طریق تمدن کے بموجب جس قدر تفریق مرد اور عورت کی حالت اور اُن کے حقوق میں کی گئی ہے وہ اُس قدر تفریق سے جو باقتضاے خِلقت وفطرت ہونی چاہیئے تھی بدرجہاے زیادہ ہے اور محض فرضی خیالات اور مردوں کے تعصبات اور جہالت پر مبنی ہے۔ اور انسان کے تمدن کو خراب کرنے والی اور دنیا کو سخت نقصان پہنچانے والی اور زمانۂ قدیم کے وحشیانہ پن کا بدترین نمونہ ہے ٭

ہمارے تمدُّن کے مختلف اوضاع و اطوار محض اس جھوٹے دعوے پر مبنی ہیں کہ مرد حاکم ہیں اور عورتیں محکوم ہیں اور عورتیں مردوں کے آرام کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ اور اس لئے وہ اُن پر تقریبًا اُسی قسم کے اختیارات رکھتے ہیں جس طرح وہ ہر قسم کی جایداد پر رکھتے ہیں اور اُنکے حقوق مردوں کے حقوق کی برابر نہیں ہو سکتے۔ اگر اس غلط اور ناپاک اصول کو مرد صرف اپنے تعصُّب اور خود پسندی کا نتیجہ سمجھتے اور اُس کی تائید میں کسی دلیل کے لانے کا دعویٰ نہ کرتے تو بھی ہم کو صبر آتا۔ لیکن ظلم تو یہ ہے کہ اس جھوٹے دعوے کو انصاف پر مبنی اور عقلی دلایل سے موّید اور مرضی الٰہی کے مطابق جانتے ہیں۔ انہیں خیالات کی غلطی کو کھول دینا اور ان کی بیہودگی کو ظاہر کر دینا ہماری اس تحریر کا موضوع ہے ٭

آسانی کی غرض سے ہم اس بحث کو پانچ حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہم اُن وجوہات عقلی و نقلی پر نظر کرینگے جو مردوں کی فضیلت کے ثبوت میں پیش کی جاتی ہیں۔ دُوسرے حصہ میں عورتوں کی تعلیم۔ اور سوم حصہ میں پردہ اور چہارم حصہ میں طریق ازدواج اور پنجم حصہ میں معاشرت زوجین سے بحث کرینگے ٭

مردوں کی فضیلت کے ثبوت میں جو وجوہات پیش کئے جاتے ہیں جہاں تک ہم کو معلوم ہیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) مردوں کو خدا تعالیٰ نے طاقت جسمانی عورتوں سے زیادہ عطا فرمائی ہے اس لئے وہ اُن تمام اختیارات پر جن کو قوی الاعضاء و سخت جان و جفاکش ہونا لازم ہے بالاولیت استحقاق رکھتے ہیں۔ اسی واسطے سلطنت بھی جو حسب بیجا زور بازو کا نتیجہ ہے مردوں ہی کا حق ہے ؛

(۲) مردوں کے قُویٰ عقلی بھی اپنے قُویٰ جسمانی کے متناسب عورتوں کے قُویٰ عقلی سے بہت اعلیٰ و اقویٰ ہیں۔ اسی واسطے عورتیں ہر زمانہ میں اور ہر قوم میں ناقص العقل سمجھی گئی ہیں۔ عورتوں کی زُود اعتقادی۔ نامعاملہ فہمی۔ کوتاہ اندیشی۔ بے وفائی وغیرہ صفات کی بنیاد اسی نقص عقل پر ہے ؛

(۳) جس طرح جملہ نعمتہائے دنیاوی میں سے سلطنت افضل ہے اسی طرح جملہ انعام الٰہی میں سے سب سے بڑھ کر نبوت ہے۔ وہ بھی خدا تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ مخصوص کی ہے۔ اور کسی عورت کو دنیا کی ہدایت کے لئے نبی بنا کر نہیں بھیجا ؛

(۴) مذہبًا مردوں کی فضیلت میں قرآن مجید کی وہ آیت نقل کی جاتی ہے جس میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَی النِّسَاءِ اور اس کے یہ معنی سمجھے جاتے ہیں کہ مرد عورتوں پر حاکم ہیں ؛

(۵) ایک اور نقلی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے اوّل حضرت آدم کو پیدا کیا۔ پھر اُس کے آرام کے لئے عورت کو پیدا کیا۔ اس لئے عورت کو مرد کا محکوم و خدمتگزار ہو کر رہنا اور اُس کے آرام و خوشی کا ذریعہ بننا اور اُس کے آرام کو اپنے آرام پر مقدم رکھنا اصلی منشاء الٰہی

معلوم ہوتا ہے÷

(٦) قرآن مجید میں دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کی برابر قرار دینا اور تقسیم ترکہ میں عورت کا حصہ مرد کے حصہ سے نصف قرار دینا بھی مردوں کی فضیلت کی قطعی دلیل ہے÷

(٧) مردوں کو ایک وقت میں چار عورتوں سے نکاح کی اجازت ہونا اور اس کا عکس جایز نہ ہونا بھی صاف ظاہر کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو مردوں کی زیادہ مراعات منظور ہے÷

(٨) عالم آخرت میں بھی مردوں کو نیک اعمال کے بدلے خوبصورت بیبیوں کے ملنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ مگر عورتوں کو نیک اعمال کے بدلے اس قسم کا وعدہ نہیں دیا گیا÷

ان دلایل عقلی و قرآنی کے علاوہ چند اور دلایل بہار دانش کی نجس حکایات سے اخذ کی گئی ہیں۔ جس کے ذکر سے اگرچہ منشی عنایت اللہ صاحب مصنّف کو شرم نہیں آئی۔ مگر ہم اُس کے حوالہ سے بھی شرم کرتے ہیں÷

یہ ہیں تمام شواہد و براہین جن کو چاہے منطقی کہو۔ چاہے فلسفی۔ چاہے خیالی اوہام۔ نہیں دلایل کی بناء پر وہ حکم ناطق صادر کیا گیا ہے جس کے رو سے آدھی دنیا کو ذلیل غلامی میں ڈال کر مردوں کا حلقہ بگوش غلام بلکہ غلام سے بدتر بنایا ہے۔ اور اشرف المخلوقات میں سے احسن التقویم مخلوق کو پاجی سے پاجی مرد کی صرف ناپاک شہوت رانی اور نالایق کجروی اور بے ٹھکانہ خودپسندی کی اغراض پورا کرنے کا ذریعہ قرار دیا ہے÷

اب ہم اُن دلایل پر غور سے نظر کرتے ہیں اور دیکھنا چاہتے ہیں کہ آیا حقیقت میں یہ دلایل حُجّت منطقی کا رتبہ رکھتی ہیں یا محض ابلہ فریب اقوال ہیں جو جھوٹے دعویٰ کرنے والوں نے اپنے

دل خوش کرنے کو گھڑ لئے ہیں - جو شخص اپنے تئیں تمدنی اثروں سے خالی الذہن کر کے اور بلا اس امر کے اندیشہ کے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں اُس پر واقعی مجھکو عمل کرنا پڑیگا - اور اُس عمل کا نتیجہ موجودہ حالت معاشرت کے رو سے میرے یا میرے خاندان کے حق میں کیا ہوگا دلایل مذکورہ پر ذرا سا بھی غور کریگا اُسے معلوم ہو جائیگا کہ یہ دلایل سراسر پوچ اور بے معنی اقوال ہیں جن کو نہ حُجّت شرعی کہہ سکتے ہیں - نہ بُرہان منطقی - بلکہ عرف عام کے موافق قیاس غالب پیدا کرنے کے لئے بھی مفید نہیں - چہ جا کہ اُن سے قطعیت کا فایدہ مترتّب ہو +

دلیل اوّل جو قوت جسمانی کی فضیلت پر مبنی ہے محض ایک بے سند قول ہے جس کو کسی طرح دلیل نہیں کہہ سکتے - ہم نے تسلیم کیا کہ مردوں کو عورتوں کی نسبت قوت جسمانی زیادہ حاصل ہے - لیکن اس سے یہ کس طرح ثابت ہو سکتا ہے کہ قوت جسمانی ایسی شے ہے جس کی وجہ سے مرد من حیث الانسان عورتوں پر شرف و فوقیت رکھتے ہیں +

قوی الاعضاء کے لئے قوت کے کام اور ضعیف الاعضاء کے لئے آسانی کے کام مخصوص ہونے بھی بالبداہت ظاہر ہیں - کون کہتا ہے کہ محنت و مشقت و جفاکشی کے کام مردوں کو نہیں ملنے چاہئیں - مرد شوق سے محنتیں اُٹھائیں - پہاڑ کاٹیں - درخت کاٹیں - انسانوں کے گلے کاٹیں یا اور کام جن کو اُن کی سختی اور سخت دلی مقتضی ہو وہ کریں - مگر سوال تو یہ ہے کہ آیا اس قسم کے افعال کی طاقت ہونے سے اُنہیں کسی سچّی فضیلت یا شرافت حاصل ہونے کا دعویٰ پہنچتا ہے جس کا جواب دلیل مذکورہ میں مطلق موجود نہیں - ہمارے اس سوال کا جواب اور استدلال مذکورۂ بالا کا بھدا پن اور بے محل ہونا پورے طور پر اس طرح ظاہر ہو سکتا ہے کہ بجاے

عورتوں اور مردوں میں مقابلہ کرنے کے یہ ہی دلیل اگر مردوں اور چوپایوں میں مقابلہ کرنے کے لئے یُوں قایم کی جاے کہ چونکہ چوپایوں کو خدا نے مردوں سے زیادہ طاقت جسمانی بخشی ہے۔ اس لئے اُن کو مردوں پر فوقیت وفضیلت حاصل ہے تو اس استدلال کو بھی لامحالہ تسلیم کرنا پڑیگا دونو منطقی دلیلیں بالکل ٹھیک ہیں اور صحیح نتیجہ نکلنے کی جتنی شرائط ہیں وہ سب موجود ہیں۔ اور نتیجے بھی صحیح ہیں پس استدلال مذکورۂ بالا کی بناء پر مردوں کو اگر عورتوں پر کوئی فضیلت ہے (بشرطیکہ اُس کو لفظ فضیلت سے تعبیر کرنا جایز ہو) تو وہ ایسی ہی ہے جیسی بہایم کو مردوں پر ہے۔ لیکن اگر اس سے کہ گدھے میں ایسا بھاری بورا اُٹھانے کی طاقت ہے جو مرد نہیں اُٹھا سکتا گدھے کی فضیلت ثابت نہیں کرتا تو مرد بھی اس امر سے اپنی فضیلت ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ عورتوں کی نسبت اعمال شاقہ کے برداشت کرنے کی زیادہ طاقت رکھتے ہیں +

آسانی کی غرض اور ذہن نشین کرنے کے لئے اس دلیل کا بے محل ہونا ہم اور طرح پر ظاہر کرتے ہیں۔ سوچنا چاہیئے کہ مرد اور عورت میں مقابلہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ مرد اور عورت حیوانیت میں تو شریک ہیں ہی۔ اور اُن کو مرد انسان اور عورت انسان یا مختصراً مرد اور عورت حیوانیت کے لحاظ سے نہیں کہتے۔ بلکہ انسان سے جو مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے مراد ہے حیوان + قُوی نفس ناطقہ۔ یا یوں کہو کہ حیوان مع شئ زاید۔ پس یہ ہی شے زاید ہے جس نے حیوان کو اونچا کر کے انسانیت کی سطح مرتفع تک پہنچایا ہے اور اُن میں مقابلہ کرنے سے مقصود یہ ہے کہ آیا انسان کے دونو افراد حیوانیت سے ترقی کر کے یکساں سطح پر پہنچے ہیں۔ یا مرد زیادہ بلندی پر پہنچا ہے۔ مگر پہلی دلیل اس امر کی نسبت بالکل ساکت ہے۔ اُس سے

صرف اس قدر ظاہر ہوتا ہے کہ مرد کا ڈیل ڈول زیادہ مضبوط ہے۔ ہڈیاں سخت ہیں۔ ٹانگیں قوی ہیں۔ حالانکہ یہ امور اُس "شئے زاید" میں داخل نہیں۔ بلکہ حیوانیت سے تعلق رکھتے ہیں جس میں مرد اور عورت کا مقابلہ مطلوب نہیں ہے ٭

سب جانتے ہیں کہ مرد اور عورت حیوان کی انواع ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حیوان میں حیوانی صفات کی تیزی اور خونخواری اور وحشت اور غضبناکی کم کرکے اور اپنی حکمت بالغہ سے اُس میں قُویٰ ملکوتی رکھ کر حیوان کی ایک نئی نوع بنائی ہے جس کا نام انسان رکھا گیا ہے۔ پس مرد اور عورت کے مقابلہ سے انہیں قُویٰ ملکوتی میں مقابلہ مقصود ہے نہ خصایل حیوانی میں خصایل حیوانی میں مرد کی فضیلت یا زیادتی ثابت کرنا خصایل انسانی کے لحاظ سے اُن کی رذالت ثابت کرنا ہے

ثانیاً۔ اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ مردوں کو قوت جسمانی کے لحاظ سے عورتوں پر فضیلت ہے تب بھی یہ قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ مردوں کو یہ قوت فطرتاً حاصل ہوئی ہے یا خاص طور کے تمدّن نے اُن کو قوی بنا دیا۔ جہاں تک ظاہری اسباب پر نظر جاتی ہے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قوتِ جسمی کی کمی بیشی مرد اور عورت میں فطری نہیں ہے۔ بلکہ خاص خاص قسم کے تمدن و معاشرت نے ہزارہا صدیوں کے بعد اس قدر فرق پیدا کر دیا ہے جیسا کہ مختلف اقوام میں اس قسم کے عارضی فرق امتداد زمانہ سے پیدا ہو گئے ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ کابل کے آفریدی اس قدر قوی ہیکل اور شدید القوۃ ہیں اور کلکتہ کے بابو عموماً بودے اور پھسپھسے ہیں۔ کیا سبب ہے کہ پنجاب کے سکھ ہژبرانِ پنجاب کہلاتے ہیں اور ہندوستان کے بنیئے اپنی نامردی اور ڈرپوک ہونے میں ضرب المثل ہیں۔ جن اسباب نے عورتوں کو ضعیف کیا کچھ شک نہیں کہ اُن کا عمل اُن زمانوں سے بہت

پہلے کا ہے جب سے بنگالیوں یا بنیوں کے ضعف کے اسباب شروع ہوئے۔ اس قول کی تصدیق
کہ مرد اور عورت کی قوت کی کمی بیشی فطری نہیں ہے۔ بلکہ عارضی اور اتفاقی اسباب کا نتیجہ ہے اس
امر سے ہوتی ہے کہ اگرچہ دنیا بھر کی عورتیں ایک حد تک خاص قسم کی زندگی بسر کرتی ہیں تاہم
بہت سے تمدنی حالات میں اختلاف ہونے کی وجہ سے مختلف ممالک و اقوام کی عورتوں کے
قوی جسمانی میں فرق بیّن پایا جاتا ہے۔ غزنیں اور ہرات کی عورتوں کے قوی جسمانی کا مقابلہ کرو
شرفاء دہلی و لکھنؤ کی بیگمات سے تو ظاہر ہو جائیگا کہ یہ فرق اس قدر ذاتی و خلقی نہیں جس قدر
تمدنی ہے۔ یعنے عورتوں کا یہ ضعف اس وجہ سے پیدا ہوا ہے کہ عورتوں کو مردوں کی سطح سے
ایک نیچی سطح پر رکھ کر اُن کی قوتوں کو کمزور اور معطّل اور رفتہ رفتہ معدوم کر دیا۔

پہلی دلیل کا دوسرا حصّہ یا یہ کہو کہ اُسی دلیل کے پہلے حصّہ کا نتیجہ جو اِن الفاظ میں نکالا گیا
ہے کہ سلطنت قوت بازو کا نتیجہ ہے اَور بھی زیادہ بیہودہ اور غلط خیال ہے۔ انسانی تہذیب کے
ابتدائی زمانہ میں جبکہ وحشت و جہالت کی گھٹا دنیا پر چھائی ہوئی تھی اور انسانوں کے تمدنی حقوق
اور معاشرت کے طُرق موضوع نہیں ہوئے تھے ہر ایک امر جو موجب منفعت تصور ہوتا تھا اُسی قدیم
وحشیانہ اصول سے کہ "جس کی لاٹھی اُس کی بھینس" تصفیہ پاتا تھا۔ با ایں ہمہ کسی سُورما سے
سُورما کی بھی ویسی لاٹھی نہ تھی کہ بلا مدد دیگر ہمجنسوں کے دُنیا بھر کی بھینسوں کو گھیر لاتی۔ جس زمانہ
میں انسان کو سلطنت یا سلطنت کے مشابہ کسی قسم کی ادنیٰ درجہ کی حکومت کرنے کا سلیقہ حاصل
ہوا تو اُس وقت تک انسان نے محض وحشیانہ منفرد زندگی سے نکل کر اس قدر ترقی کر لی تھی کہ
جماعت مدنی باقاعدہ طور پر قایم ہو گئی تھی اور اُس کے حفظ کے قواعد منضبط ہو گئے تھے۔ یا یوں کہو

کہ لوگ اُن کو سمجھنے لگے تھے اور اُن کی پابندی پر لوگوں کو مجبور کرنے لگے تھے۔ گویا کہ حاکم وقت صرف اپنی قوت بازو سے حکومت نہیں کرتا تھا بلکہ اپنے وفادار دوستوں اور جاں نثار ساتھیوں کے بھروسہ پر حکومت کرتا تھا۔ ہر قسم کی حکومت و سلطنت کا آج تک یہ ہی اصول چلا آتا ہے۔ اس قسم کی حکومت کی تخصیص مردوں سے ہونی کچھ معنی نہیں رکھتی اسی لئے باوجود اس امر کے کہ مردوں کو ہمیشہ اپنی برتری کا خیال رہا ہے۔ اور استعمال اختیارات کے باب میں مردوں نے ہمیشہ عورتوں کے برخلاف اپنے تعصّب کا اظہار نہایت اصرار کے ساتھ کیا ہے مگر پھر بھی مردوں نے ہی اس قسم کی حکومت میں اپنی تخصیص نہیں رکھی اور ہر ملک اور ہر قوم میں کسی نہ کسی زمانہ میں عنان حکومت عورات کے ہاتھ میں آئی ہے اور بعض عورتوں نے تو اس سلیقہ سے فرماں روائی کی ہے کہ طبقۂ ذکور میں اُن کے پلہ کا حکمران ملنا مشکل ہے۔ ہندوستان میں رضیہ بیگم کی سلطنت کا زمانہ اگرچہ بہت مختصر تھا مگر پھر بھی اپنے امن امان کے لحاظ سے بہت سے بادشاہوں کے زمانوں سے بہتر تھا۔ جہانگیر کا عہد حقیقت میں نور جہاں بیگم کا عہد تھا اور اپنے بے نظیر امن امان و انتظامات ملکی کے لحاظ سے تاریخ ہندوستان میں سُنہری حرفوں سے چمکتا رہیگا۔ خود اس زمانہ پر غور کرنی چاہیئے کہ جناب ملکہ معظمہ قیصر ہند کس خوبی و حسن انتظام اور امن و امان کے ساتھ کشورکشائی اور دادِ داد گستری دے رہی ہیں۔ کیا اب بھی کہا جا سکتا ہے کہ سلطنت مردوں ہی کا حق ہے؟

علاوہ ازیں یہ خیال کہ سلطنت زور بازو کا نتیجہ ہے محض غلط خیال ہے۔ علم کی ترقی اور تہذیب کی اشاعت اور ہمارے ملک پر سلطنت برطانیہ کی حکومت نے خوب سمجھا دیا ہے کہ دنیا میں سب سے بڑھ کر طاقت علم کی ہے۔ اور علم والے ہی خواہ وہ مرد ہوں خواہ وہ عورت چاہلو

پر حکومت کرنے کا حق رکھتے ہیں اور اصلی سچی فضیلت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ پس ہمیں امید ہے کہ آیندہ مرد اپنے چوڑے چکلے ڈیل ڈول اور سخت ہڈیوں پر فخر کر کے عورتوں پر فضیلت ثابت کرنے کا نام نہ لینگے بلکہ کسی عمدہ معقول دلیل کی تلاش کرینگے +

دلیل دوم محض دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اگرچہ تشریح دانانِ زمانۂ حال نے نہایت باریک فرق مرد اور عورت کی ساخت جسمانی میں پایا ہے اور عورتوں کے جسم کی بعض استخوانوں کو مردوں کے استخوانوں کی نسبت کسی قدر نازک بتایا ہے مگر اس قسم کا کوئی فرق جرم دماغ اور ان مقامات دماغ کی نشو ونما میں جن پر خاص خاص قویٰ دماغی کا مدار ہے صاف طور پر آج تک نہیں پایا۔ جس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس حالت میں کہ باوجود اس کے کہ تمدنی حالت نے عورتوں کی جسمانی طاقت کو مردوں کی جسمانی طاقتوں سے بہت ادنیٰ کر دیا ہے یہاں تک کہ ان کی ہڈیوں کے مقدار میں بھی فرق محسوس ہونے لگا ہے تاہم ان کے دماغ مردوں کے دماغوں سے کسی طرح کمتر نہیں ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اگر عورتوں کی جسمانی طاقتوں کو ان کی تمدنی حالت زیادہ نشو ونما و تکمیل حاصل کرنے دیتی تو غالباً بلکہ یقیناً ان کی دماغی طاقتیں مردوں کی دماغی طاقتوں کی نسبت زیادہ شگفتہ ہوتیں +

پہلی دلیل کی طرح اس دلیل میں یہ بھی بڑا بھاری سُقم ہے کہ اس فرق کو جو عارضی اسباب سے پیدا ہوا ہے خِلقی فرق سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ بفرض محال اگر عورتوں کے دماغ مردوں کے دماغوں کی نسبت علم تشریح کے رو سے کسی قدر ناقص بھی ثابت ہوں تب بھی یہ کیوں نہ سمجھا جائے کہ یہ لازمی نتیجہ ہے موجودہ تمدنی حالت عورات کا جس کے رو سے ان کی صحت جسمانی

کی طرف سے کمال بے توجہی کی جاتی ہے۔ اور اُن کے نظام عصبی پر ایسے مضر اثر ڈالے جاتے ہیں جن سے اُن کے قویٰ دماغی کے مختل ہونے کا اور اُن کو بے صبر۔ جلد باز۔ متلون مزاج۔ زود رنج۔ زود اعتقاد اور سخیف الرائے بنادینے کا ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے۔ جس حالت میں مردوں اور عورتوں کو مساوی سطح پر نہیں رکھا گیا اور جس حالت میں ترقی علم کے میدان میں اُن کی دَوڑ ایک مقام سے شروع نہیں ہوئی تو مردوں کی سبقت کیونکر اصلی سبقت قرار پاسکتی ہے۔ کیا اس بناء پر کہ زُولو قوم کے لوگ وحشیانہ پن اور جہالت میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ملک انگلستان کے لوگ علوم حکمیہ کی ترقی میں حکماء یونان کو مات کر رہے ہیں یہ نتیجہ نکالنا جایز ہوگا کہ انگلستان کے انسان اور زولو کے دماغ اور قویٰ دماغی میں کوئی اصلی فرق ہے۔ پس اگر عورتوں کی ساخت دماغ میں بھی کوئی فرق محسوس ہو بھی تو بھی کوئی نتیجہ عورتوں کے خلاف نہیں نکلتا۔ اور کچھ شک نہیں کہ جب ہزارہا صدیوں تک نسلاً بعد نسلٍ عورتوں کے دماغ کو بیکار رکھنے کے بعد بھی ہم اُن میں مردوں کی نسبت کسی قسم کی کمی نہیں پاتے تو ضرور اس سے عورتوں کا قُویٰ دماغی میں مردوں سے اعلیٰ و برتر ہونا بخوبی ثابت ہے +

دلیل سوم میں جو مردوں کی فضیلت اس بنا پر ثابت کی ہے کہ فرقہ اناث میں سے کوئی نبی نہیں ہوا اس کے تین جواب ہیں اولاً اہل اسلام کا اعتقاد ہے کہ خدا یتعالیٰ نے خلقت کی ہدایت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر دنیا میں بھیجے مگر ہماری کتابوں میں صرف دس پندرہ نبیوں کا حال درج ہے اور تمام عہد عتیق کے انبیاء بھی تعداد میں شاید تیس سے زیادہ نہ ہونگے پس ظاہر ہے کہ ایک لاکھ تیئیس ہزار نوسو ستر انبیا کے حالات سے ہم محض ناواقف ہیں۔

اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ آیا وہ سب مرد تھے یا سب عورتیں تھیں۔ یا کچھ مرد اور کچھ عورتیں صرف چند افراد کا حال معلوم کرکے ایسی کثیر تعداد کی نسبت حکم کلّی لگا دینا یا کوئی قیاس ظنی قایم کرنا محض تحکم ہے۔ اور جب تک ہم کو سب انبیاء کا حال معلوم نہ ہولے تب تک اس معاملہ میں ہمیں لب کشائی کرنا مناسب نہیں ہے۔

ثانیاً۔ عورات کی خِلقت مقتضی اس امر کی ہے کہ کوئی ایسا دشوار کام جس کے سرانجام کے لئے سالہا سال کی علی الاتصال محنت درکار ہو اور گھربار اور اہل وعیال سے کلّی علٰحدگی ضرور ہو عورات کے فرایض میں داخل نہ کیا جاے۔ اس قسم کی خدمت گزاریوں سے عورتوں کو بری رکھنا اُن کی عُلوّشان کو جتلاتا اور اس امر کو ظاہر کرتا ہے کہ گو مرد عورتوں سے راحت و آرام پانے کے لئے ہیں اور عورتیں مردوں سے۔ الّا عورتوں کا آرام و آسایش خدا تعالیٰ نے زیادہ مقدم سمجھا۔

ثالثاً۔ ہم ہرگز کلُ مردوں اور کلُ عورتوں میں بالعموم مساوات کے قایل نہیں بلکہ اس بات کے قایل ہیں کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق ذاتی نہیں ہے۔ صرف عارضی اسباب سے کبھی بعض عورات بعض عورات پر اور کبھی بعض مرد بعض مردوں پر اور کبھی بعض مرد بعض عورتوں پر اور کبھی بعض عورتیں بعض مردوں پر سبقت و فوقیت لے جاتی ہیں۔ پس چند افراد کی فوقیت سے ایک پورے طبقہ کی فوقیت دوسرے پورے طبقہ پر لازم نہیں آتی۔ غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ جس طرح اُن مردوں کی جو نبی ہوئے فوقیت یا فضیلت باقی مردوں پر ثابت ہے اُسی طرح اُن کی فضیلت عورتوں پر بھی ثابت ہوگی اس لئے اس دلیل سے بھی غیر نبی مردوں اور عورات میں کوئی ایسا اصلی فرق ثابت نہ ہوا جو کلُ طبقہ ذکور کی فضیلت کے ثبوت میں ذرا بھی کچھ مدد دیسکتا۔

کیا جو عزت و فخر حضرت آمنہ کو حاصل ہے کہ اُن کے شکم اور کنار عاطفت میں فخر عالم و عالمیان نے پرورش پائی یا جو فضیلت ہر نبی کی والدہ ماجدہ کو اس امر سے حاصل ہوئی کہ اُس کے شکم سے نبی پیدا ہُوا وہ دُنیا بھر کی تمام عورات کو حاصل ہو سکتی ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ عزت جن خوش نصیب عورتوں کے لئے روز ازل سے مقرر کی گئی تھی وہ انہیں ہی ملی۔ کیا ہُوا کہ دُنیا کی اور عورتیں بھی اُسی طبقہ اناث سے ہیں جس میں سے وہ تھیں۔ اسی طرح کیا یہ صحیح ہو سکتا ہے کہ جو عزت انبیاء کو حضرت احدیت سے عطا ہوئی اُس عزت کے کسی حصہ کو دُنیا کے تمام مرد خاص اپنی طرف منسوب کریں محض اس وجہ سے کہ ہماری صُورت شکل ناک کان بھی نبیوں کے سے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ؎ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر۔ در نوشتن گرچہ ماند شیر و شیر ؛

دلایل نقلیہ کا جواب

دلایل عقلیہ مذکورۂ بالا کے بعد جو چند نقلی اقوال بیان کئے جاتے ہیں اُن کی یا تو کچھ اصلیت ہی نہیں یا اُن سے وہ مطلب مستفاد نہیں ہوتا جو اُن اقوال سے سند لانے والے نکالنا چاہتے ہیں ؛

سب سے بڑا ثبوت جو اُن کے پاس مردوں کی فضیلت کا قرآن مجید سے نکل سکتا ہے وہ آیت ہے جس میں فرمایا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم۔ جس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ مرد حاکم ہیں عورتوں پر۔ کیونکہ اللہ نے اُن میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور انہوں نے اپنے مال خرچ کئے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسر لکھتے ہیں کہ مردوں میں دو قسم کی فضیلتیں ہیں۔ ایک وہ جو قوت نظریہ

اور قوت عملیہ کے قوی ہونے کی وجہ سے اُن کو بالذات حاصل ہے۔ دوسری یہ فضیلت کہ مرد عورتوں کو مصارف مثلاً روٹی کپڑا وغیرہ دیتے ہیں۔ مگر ہم کو اس تفسیر کے ساتھ اتفاق نہیں ہے کیونکہ اولاً تو قوّام کا ترجمہ بلفظ حاکم کرنا ہماری رائے میں صحیح نہیں ہے۔ اور سوائے مولانا شاہ عبدالقادر کے کسی نے یہ ترجمہ اختیار نہیں کیا۔ شاہ رفیع الدین صاحب نے قوّام کا ترجمہ قیام رکھنے والا کیا ہے۔ اُن کے والد ماجد شاہ ولی اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے تدبیر کارکنندہ ترجمہ کیا ہے۔ ایک اور فارسی ترجمہ میں جو سعدی کے ترجمہ کے نام سے مشہور ہے قوّام کا ترجمہ کارگزار کیا گیا ہے۔ ثانیاً اس ترجمہ سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ بعض کو بعض پر فضیلت دینے کا کیا مطلب۔ اگر پہلے بعض سے بعض مرد مراد ہیں اور دوسرے بعض سے بعض عورتیں تو سب مردوں کی فضیلت سب عورتوں پر ثابت نہیں ہے۔ اگر دونوں جگہ مردوں کی طرف اشارہ ہے تو اس بات کے کہنے سے کہ بعض مرد بعض مردوں پر فضیلت رکھتے ہیں مردوں کی فضیلت عورتوں پر کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔ ثالثاً اگر بعضھم میں ضمیر ھُم انسانوں کی طرف راجع سمجھیں اور پہلے بعض سے بعض انسان یعنی کُل مرد اور دوسرے بعض سے اسی طرح کُل عورتیں مراد ہوں تب بھی اس آیت سے مردوں کی کوئی اصلی و خِلقی و فطری فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اول اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ کس امر میں فضیلت ہے۔ دوم اگر یہ ہی سمجھا جاوے کہ آیت کے پہلے حصہ میں قوت نظری اور عملی کی فضیلت مراد ہے اور حصہ موخر میں نان ونفقہ دینے کی فضیلت مراد ہے تب یہ اعتراض ہوگا کہ یہ فضیلت اُس خِلقی فرق پر جو عورت کو مرد سے متمیز کرتا ہے مبنی نہیں ہے۔ اس لئے ہم اس

وجہ کو وجوہ فضیلت میں داخل نہیں رکھ سکتے۔ مرد کی فضیلت عورت پر بلحاظ علم اکتسابی یا سخاوت یا دیگر صفات کے جو تعلیم و تربیت سے پیدا ہوتی ہیں دوسری چیز ہے اور مرد کی فضیلت عورت پر بلحاظ مرد ہونے کے دوسری شے ہے۔ پہلا امر اکتسابی ہے اور دوسرا فطری۔ بہت سی عورتیں ایسی نکلینگی جن میں یہ اکتسابی فضایل نظریہ و عملیہ مردوں سے زیادہ ہونگے اور ایسی صورت میں اُن عورتوں کو مردوں پر فضیلت ہوگی۔ کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ ابوجہل کی قوۃ نظریہ و عملیہ حضرت خاتون جنت خدیجۃ الکبریٰ سے بڑھ کر تھی۔ یا ابولہب میں یہ صفات حضرت فاطمہ سے بدرجہ اتم تھیں۔ یا تمام مرد یا اُن کا حصہ کثیر عرفان الٰہی اور خداشناسی کی صفت میں رابعہ بصری سے فوقیت و فضیلت رکھتا ہے۔ علیٰ ہذا القیاس دیکھو باپ بیٹوں کو گذارہ دیتا ہے۔ آقا نوکر کو خرچ دیتا ہے۔ پھر کیا اس سے یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ آقا کو نوکر پر ذاتی فضیلت ہے۔ ہرگز نہیں اگر اتفاق زمانہ سے آقا نوکر اور نوکر اُس کا آقا ہو جاے تو یہ فضیلت بالکل برعکس ہو جاے گی۔ حالانکہ ایسا ہونا ذاتی ہونے کے لوازم کے خلاف ہے۔ پس اس آیت سے مردوں کی بالکل فضیلت ثابت نہیں ہوتی ۔

آیت مذکورہ کے الفاظ نہایت صریح و صاف ہیں۔ قوّام مبالغہ کا صیغہ ہے جو شخص بوجہ انتظام کاروبار و اہتمام معاملات بیٹھنے کی مُہلت نہ پاتا ہو اور اُس کے زیادہ تر اوقات قیام میں گذرتے ہوں وہ قوام کہلاتا ہے۔ چونکہ مردوں کو حصول معیشت کے لئے دور دور ملکوں میں پھرنا اور عورتوں کے آرام کے لئے کمانا پڑتا ہے اس لئے مرد عورتوں کے قوام یا کارگزار یا مہتمم ہیں۔ چونکہ دنیا میں کوئی امیر ہے۔ کوئی غریب۔ کوئی فیاض طبع۔ کوئی بخیل۔ اس لئے خدا تعالیٰ

نے فرمایا کہ اللہ نے ایک کو ایک پر فضیلت دی ہے۔ پس تم جیسی استطاعت یا حیثیت معیشت رکھتے ہو اسی کے مطابق عورات کی کارگزاری وخدمت کرو۔ حاکمی محکومی کا کچھ ذکر اس آیت میں نہیں ہے اور اگر ہے تو معنی متبادر سے عورتوں کی فضیلت اور مردوں کا ان کا خدمتگزار وکارگزار ہونا ثابت ہوتا ہے +

دوسری نقلی دلیل اس امر پر مبنی ہے کہ قرآن مجید نے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر اور عورت کا حصہ ترکہ مرد کے نصف حصہ کے برابر قرار دیا ہے۔ مگر اس سے بھی مردوں کی کوئی اصلی یا فطری فضیلت ثابت نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس اعتراض کے جواب کے لئے متعدد امور قابل غور ہیں اولاً عورتوں کو جس تمدنی حالت میں رکھا گیا ہے اس حالت نے ان کو ایسا جاہل اور نامعاملہ فہم اور ناتجربہ کار بنا دیا ہے کہ اگر ہر قسم کے معاملات ومقدمات میں مرد اور عورت کی شہادت کا وزن بالکل یکساں رکھا جاتا یا اب بھی رکھا جائے تو اہم معاملات میں سخت ابتری پڑنے کا اندیشہ ہے +

جس آیت کے رو سے ایک مرد کی شہادت دو عورتوں کی شہادت کے مساوی قرار دی گئی ہے وہ آیت تمسک قرضہ سے تعلق رکھتی ہے۔ ظاہر ہے کہ تحریر تمسکات ودستاویزات حساب کتاب مطلوبہ عدالت یا محکمہ قضاۃ ایسے معاملات ہیں جو عام طور پر عورات کے لئے غیر معمولی قسم کے کام ہیں اور بوجہ کمی تعلیم وقلت تجربہ وعدم واقفیت ایسے معاملات ہیں جو عورات کی حالت کے مناسب نہیں نہ ان کو عورات عرصہ دراز تک یاد رکھ سکتی ہیں۔ مردوں کو چونکہ اس قسم کی معاملہ فہمی کی عادت ہوتی ہے وہ ایسے معاملات کو بخوبی یاد رکھ سکتے ہیں۔ اس واسطے

ایک عورت کی بجائے دو عورتیں شہادت کے لئے ضروری ٹھیریں تاکہ اگر ایک عورت صورت معاملہ بھول جائے تو دوسری عورت اُس کو یاد کرا سکے۔ چنانچہ قرآن مجید میں جہاں شہادت مذکورہ بالا کا ذکر آیا ہے وہاں یہ ہی علّت اُس حکم کی بیان کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ دو عورتیں ہونی چاہئیں کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری عورت اُس کو یاد کرا سکے۔

ان تضل احدٰھما فتذکر احدٰھما الاخریٰ

جب قرآن مجید نے خود اس تفریق کی یہ وجہ قرار نہیں دی کہ عورت بلحاظ خلقت مرد سے نصف درجہ رکھتی ہے تو بیچارے فقہاء کس گنتی میں ہیں جو محض اپنے ذہن نارسا سے ایسے وجوہ فاسدہ اختراع کر کے نصف دنیا کی حق تلفی کریں۔

ثانیاً۔ قرآن مجید کا یہ حکم جس میں اس قسم کی شہادت کا ذکر ہے ایک اختیاری حکم ہے جس کی تعمیل ہر مسلمان پر ضروری اور لازمی قرار نہیں دی گئی۔ پس ایک ارشادی حکم کی ذیل میں ایک امر کا محض ضمنی طور پر مذکور ہونا خود اپنی وقعت کھونے یا کم کرنے کے لئے کافی ووافی ہے۔

ثالثاً۔ ہمنے جو وجہ اول میں بیان کیا کہ دو عورتوں کی شہادت کو ایک مرد کی شہادت کے مساوی قرار دینا بلحاظ نوعیت معاملہ ہے نہ بلحاظ کمی و زیادتی درجہ ذکور وا ناث اس کے ثبوت میں یہ بھی پیش ہو سکتا ہے کہ تمسک مذکورہ کے علاوہ دیگر معاملات میں جو فہم عورات کے لئے غیر معمولی نہیں ہیں مثلاً معاملات نکاح۔ طلاق۔ حدود و قصاص وغیرہ میں جہاں کہیں قرآن مجید میں شہادت کے باب میں احکام آئے ہیں وہاں اس قسم کی تفریق درجہ نہیں کی گئی۔

رابعاً۔ بلکہ اسی اعتراض کے متعلق ایک امر ایسا بھی ہے جس سے شہادت کے باب میں مردوں پر عورات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے مثلاً صحیح بخاری میں عقبہ بن حارث کا ایک

قصہ لکھا ہے کہ اُس نے کسی لڑکی سے نکاح کر لیا تھا۔ ایک عورت نے آکر اُس کو اطلاع دی کہ یہ نکاح کس طرح جایز ہو سکتا ہے جبکہ میں نے اس لڑکی اور لڑکے دونوں کو دُودھ پلایا ہے۔ عقبہ نے کہا کہ تو نے آج تک کبھی مجھ سے یہ ذکر نہیں کیا کہ میں نے تجھے دُودھ پلایا ہے پس میں کس طرح اس بات کو تسلیم کروں۔ اس کے بعد اُس نے اپنی سسرال والوں سے بھی اس بات کا استفسار کیا۔ انہوں نے بھی یہی بیان کیا کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس عورت نے اس لڑکی کو کبھی دُودھ نہیں پلایا۔ آخر عقبہ جناب رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور حال عرض کیا۔ آپ نے صرف اُس ایک عورت کی شہادت پر نکاح فسخ کر کے شوہر و زوجہ میں تفریق کرا دی ✦

اب بتاویں ہمارے خود بین فقہا کہ آیا کسی معاملہ میں اکیلے مرد کی شہادت بھی انفصال مقدمہ کے لئے کافی سمجھی گئی ہے حالانکہ ایسے کتنے ہی مسایل ہیں جن میں اکیلی عورت کی شہادت فقہا کو بھی طوعًا وکرہًا انفصال مقدمات کے لئے کافی ووافی تسلیم کرنی پڑی ہے ✦

خامسًا۔ اس باب میں یہ بھی ظن غالب ہے کہ ایک مرد کی شہادت کی بجائے دو عورتوں کی شہادت شاید صرف اس وجہ سے ٹھیرائی گئی ہے کہ عورات بعض اوقات اپنی جسمانی معذوریوں کے سبب حاضریِ عدالت کے قابل نہیں ہوتیں۔ ایسی حالت میں دو عورتوں کے ہونے سے یہ فایدہ ہے کہ ایک کے معذور ہونے پر دوسری عورت شہادت دے سکتی ہے عورات کو اس قسم کا حق حاصل ہونا یعنے اپنی شہادت دوسرے سے دِلوا دینا بھی اس معاملہ کا ایک ایسا پہلو ہے جس سے فی الجملہ عورات کے حقوق کی برتری مردوں پر ثابت ہوتی ہے نہ کہ اُن کے حقوق کی منقصت ✦

تقسیم ترکہ میں مرد اور عورت کے غیر مساوی حصے مقرر کرنے سے مردوں کی فضیلت مطلق ثابت نہیں ہوتی۔ عورت کے جملہ اخراجات و معیشت کا بار مردوں کے سر پڑالا گیا ہے اور عورتوں کو سہل تر کام خانہ داری کا سپرد کیا گیا ہے۔ پس جبکہ مرد کو اپنے اور اپنی بی بی کے گذارہ کے بہم پہنچانے اور آیندہ اولاد کے لئے بھی کل سامان معاش حاصل کرنے کا اہم فرض سپرد کیا گیا تھا تو یہ کب مناسب تھا کہ بلاضرورت عورت کو جو اپنے والدین کے ہاں سے نکاح کے وقت بہت جہیز بھی پالیتی ہے اور معقول رقم مہر کا علٰحدہ حق رکھتی ہے اور شوہر سے نان نفقہ کی الگ مستحق رہتی ہے ترکہ کی تقسیم میں بھی مرد کی برابر کر کے عورت کا پلہ بے حد وزنی کیا جاتا۔ کیسا صاف اور صریح ثبوت ہے اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ کو حقیقت میں عورتوں کی زیادہ مراعات منظور رہے ورنہ کیا وجہ ہو سکتی ہے اس بات کی کہ اپنے شوہر کے ہمراہ جملہ اخراجات میں شریک رہ کر وہ ترکہ پدری میں علٰحدہ جایداد حاصل کرے اور مہر کی جدا حقدار ہو۔ پس تقسیم ترکہ میں حصص شرعی مردوں کی فضیلت کا ثبوت نہیں بلکہ عورتوں کی فضیلت کی دلیل ہیں۔ ہم الزام اُن کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا +

آدم کو پہلے پیدا کرنے کی بنیاد پر جو دلیل قایم کی گئی ہے وہ اس قسم کی بات ہے جیسے بچے کھسیانے ہو کر باتیں کیا کرتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو یہ منظور نہ تھا کہ عورت ایک دم بھی بے خدمتگذار کے رہنے کی زحمت اُٹھائے۔ اس لئے اُس کے آرام کے لئے سب سے اول آدم کو پیدا کیا۔ پھر اُس کی بی بی کو +

لیکن اگر تحقیق پوچھو تو یہ عقیدہ کہ پہلے آدم پیدا ہوا۔ پھر حوّا نصرانیوں اور یہودیوں کا

عقیدہ ہے۔ مذہب اسلام میں اسکی کوئی اصلیت نہیں ہے۔ قرآن مجید سے آدم اور اُس کے جوڑہ کی پیدایش میں کوئی تقدُّم و تاخُّر ثابت نہیں ہے*

مردوں کے لئے ایک وقت میں چار عورتوں کا نکاح جایز ہونا اور اُس کا عکس جایز نہ ہونا محض غلط بیانی اور تحکم کی بات ہے۔ مشکل یہ ہے کہ لوگ الفاظ کی پیروی پر مرتے ہیں اور بجائے اس کے کہ معنی سخن اور حقیقت مُراد الٰہی تک پے لے جائیں اصطلاحات کی بحث پسند کرتے اور مخالف کو ساکت کر دینا غایت مناظرہ سمجھتے ہیں۔ لوگوں نے قرآن مجید میں پڑھا کہ فانکحوا ماطاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث وربٰاع اور خوش ہوگئے کہ قرآن مجید میں چار بیبیاں تک نکاح میں لانے کی اجازت صریح موجود ہے۔ حالانکہ اگر ذرا غور و تعمق کی نگاہ سے دیکھا جائے تو قرآن مجید سے کوئی اس قسم کی صریح اجازت نہیں نکلتی بلکہ ایک وقت میں ایک سے زیادہ نکاح کرنا بالکل ناجایز ثابت ہوتا ہے اور اُس کا مرتکب مرتکب حرامکاری ٹھیرتا ہے

اولاً اس آیت میں سخت اجمال ہے۔ اس حکم خداوندی سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ چار عورتیں اس طرح پر جایز ہیں کہ ایک وقت میں اُن سے نکاح کر لیا جائے۔ یا اس طرح کہ ایک کے مرنے کے بعد دوسرا نکاح ہو اور دوسری کے مرنے کے بعد تیسرا نکاح اور تیسری کے مرنے کے بعد چوتھا اور چوتھے نکاح کے بعد نکاح کی کُلّی ممانعت ہو۔ یا یہ مراد الٰہی ہو کہ اگر اتفاقاً کسی حالت صحت جسمی کے نقص سے بیوی فرایض زوجیت کے پورا کرنے کے قابل نہ رہے تو دوسرا نکاح اور اُس کے معذور ہونے پر تیسرا نکاح۔ علیٰ ہذالقیاس چار نکاح تک جایز رکھے گئے ہوں۔ یا شاید یہ مقصود ہو کہ پہلی بی بی کو طلاق دیکر دوسری اور دوسری کو طلاق دیکر تیسری اور تیسری

کو طلاق دیکر چوتھی بیوی سے نکاح کیا جا سکتا ہے اس سے زیادہ نکاح جائز نہیں ہیں۔ یا شاید مقصود قرآنی یہ ہو کہ ازدواج ثانی زوجہ اول کی یا اُس کے عزیزوں کی رضامندی کی شرط سے عمل میں آنا چاہئے۔ چونکہ آیت مذکورہ صدر میں کوئی امر ایسا نہیں جس سے ان مختلف معانی میں سے کوئی معنی وا حد بالتصریح معین ہو سکیں اس لئے ہم اس آیت کو مجمل قرار دیتے ہیں جو مفید قطعیت نہیں ہو سکتی۔ اور بدینوجہ وہ کسی حکم شرعی کے لئے نص نہیں ہے۔ ہمارے علماء اس کو تسلیم کریں یا نہ کریں مگر ہمیں یقین ہے کہ اغلب احتمال یہ ہے کہ پہلی بیوی اور اُس کے اقربا کی رضامندی شرط ہے۔ اس یقین کے لئے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہمارے لئے کافی دلیل ہے۔ صحیح بخاری کی ایک حدیث ہے جس کا خلاصہ مضمون یہ ہے کہ حضرت علی نے باوجود موجودگی حضرت فاطمہ کے ارادہ کیا تھا کہ ابوجہل کی لڑکی سے جس نے اسلام قبول کر لیا تھا نکاح کریں۔ چنانچہ اُس لڑکی کے رشتہ داروں نے جناب رسول خدا صلعم سے اس امر کی اجازت طلب کی۔ آنحضرت کو بہت غصہ آیا اور آپ نے منبر پر بیٹھکر ایک خطبہ پڑھا جس میں بیان کیا کہ یہ لوگ مجھ سے اجازت چاہتے کہ میری بیٹی کے ہوتے علی کو اپنی بیٹی نکاح میں دیں۔ سو میں نہیں اجازت دیتا۔ نہیں اجازت دیتا۔ نہیں اجازت دیتا۔ ہاں علی کو ایسا ہی کرنا منظور ہے تو میری بیٹی کو طلاق دیدے اور دوسری بیوی کر لے۔ فاطمہ میری لخت جگر ہے۔ جو اُس سے برائی کریگا وہ مجھ سے برائی کریگا۔ جو اُس کو ستائیگا وہ مجھ کو ستائیگا۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بعض لوگوں نے حکم قرآنی سے یہ سمجھا تھا کہ

نکاح ثانی کے لئے اجازت از قسم مذکورہ بالا حاصل کرنی ضرور ہے۔ اور رسول خدا صلعم کے انکار شدید سے ثابت ہوتا ہے کہ اجازت دینا نہ دینا فریق ثانی کی اپنی خوشی پر منحصر ہے اگر حکم الٰہی بغیر رضامندی زوجۂ اوّل نکاح ثانی کی اجازت دیتا تو جناب رسول خدا صلعم کا یہ فعل معاذ اللہ خلاف حکم خداوند تعالیٰ ٹھیریگا۔

علاوہ ازیں ہم باب النکاح میں ثابت کرینگے کہ ہمارے علماء محدثین نے جایز رکھا ہے کہ بروقت نکاح عورت یہ شرط کرے کہ شوہر نکاح ثانی نہیں کریگا۔ اس شرط کا جواز خود ظاہر کرتا ہے کہ دوسرا نکاح زوجہ اول کی رضامندی پر موقوف ہے۔ اگر یہ رضامندی شرط نہ ہوتی تو بروقت نکاح بھی ایسی شرط ٹھیرانی جایز نہ ہوتی۔ اور نہ وہ بعد نکاح کے شرعاً واجب النفاذ ہوتی +

پس قرآن مجید سے کوئی اجازت بالعموم چار نکاحوں کی جس طرح لوگوں نے سمجھ رکھا ہے نہیں نکلتی۔ بلکہ مسئلہ عام نکاح کے باب میں قرآن مجید کا بالکل سکوت ثابت ہوتا ہے +

ثانیاً اس آیت میں صاف عدل کی سخت اور ناممکن التعمیل شرط لگائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ اگر خوف ہو کہ عدل نہ کرسکوگے تو صرف ایک نکاح لازم ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ عدل میں کون کون سے امور داخل ہیں اور انسان سے عدل کا ہونا ممکن ہے یا نہیں۔ قائلین تعدد ازدواج نان ونفقہ ودیگر مصارف ومکان سکونت وشب باشی کی نوبت میں مساوات مطلوب ہونے کے مدعی ہیں اور ہم ان امور میں محبت قلبی وہمدردی بھی جو اصل اصول نکاح ہے داخل سمجھتے ہیں۔ ہم اس بات کے بھی مدعی ہیں کہ اس قسم کا عدل انسان سے ناممکن ہے۔ ہمارے مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ جو امر قابل تعمیل ہی نہ ہو اُس کے جواز کے ذکر سے کیا فایدہ مقصود

ہے۔ اور اگر کچھ فایدہ نہیں تو حکم الٰہی لغو ٹھیرتا ہے*

ہمارا جواب یہ ہے کہ نکاح کی اصلی غرض یہ ہے کہ انسان اپنے لئے تمام عمر کے واسطے اپنا ایک سچا ہمدرد و مونس و غمگسار پیدا کرے جو اُس کے ساتھ رنج و راحت میں شریک ہونے والا اور دُنیا کے بکھیڑوں سے فارغ ہونے کے بعد اُس کی تسکین قلب کا ذریعہ ہو۔ چنانچہ جہاں عورت کے پیدا کرنے اور تشریع نکاح کا ذکر کیا گیا ہے وہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمِنْ آیَاتِہٖ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِتَسْکُنُوْا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَوَدَّۃً وَرَحْمَۃً (سورہ روم) یعنی ہمنے تمہارے دلوں میں عورتوں کی محبت ڈالی تاکہ تم ان سے تسکین حاصل کرو۔ پس اگر یہی امر حصول اغراض نکاح میں داخل نہ رکھا جائے تو نکاح صرف ایک ذریعہ شہوت رانی کا باقی رہ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے دوسری جگہ فرمایا ہے کہ لَنْ تَسْتَطِیْعُوْا اَنْ تَعْدِلُوْا بَیْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ۔ یعنے تم عورتوں میں ہرگز عدل نہ رکھ سکوگے خواہ تم اس بات کی حرص بھی کرو۔ اصول تفسیر کے بموجب ضرور ہے کہ حتی الامکان قرآن مجید کی ایک مقام کی تفسیر دوسرے مقام سے کی جائے اور عدل کا جو مدلول آیت اول میں قرار دیا جائے وہی آیتہ مابعد میں قایم رکھا جائے۔ اب اگر پہلی آیت میں عدل سے مُراد وہ امر ہے جو ہمارے مخالفین سمجھتے ہیں اور وہ قابل عملدرآمد ہے تو دوسری آیت میں خدائے تعالیٰ نے کیوں فرمایا کہ تم عدل ہرگز نہ کرسکوگے۔ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تم سے ہرگز عدل نہیں ہوسکنے کا۔ اور قائلین تعدّد ازدواج فرماتے ہیں کہ نہیں ہم عدل کرسکتے ہیں۔ اس جُرأت و بیباکی کو خیال کرنا چاہیئے اب رہا یہ سوال کہ جب خدا تعالیٰ خود جانتا تھا کہ انسان سے عدل نہیں ہوسکنے کا

اور فرمابھی دیا کہ تم ہرگز عدل نکر سکو گے تب عدل کی شرط سے چار نکاحوں کی اجازت دینے کے کیا معنی۔ کیا اس صورت میں یہ اجازت لغو نہ ٹھیریگی؟ اسکے جواب میں اوّل تو ہم یہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کے جو معنی ہیں وہ تو سیدھے سادہ ہیں اور وہ ہم نے بتلادئے۔ اب یہ سوال خدا سے کرو کہ لغو اجازت سے کیا فایدہ مدنظر تھا۔ مگر جہاں تک ہم خدا تعالیٰ کے کلام کے سمجھنے کی طاقت رکھتے ہیں ہم اُس کے سمجھنے میں بھی کوئی دقت نہیں پاتے۔ جس طریق سے اللہ تعالیٰ نے تعدّد ازدواج کی ممانعت فرمائی ہے وہ تعلیق محال بالمحال ہے۔ اس طریق سے گفتگو کرنے سے ممانعت کی تاکید زیادہ سخت کردی جاتی ہے۔ کسی بوالہوس کو کہا جاے کہ اگر عنقا مل سکتا ہے تو تجھے کیمیا بھی مل جائیگی۔ اِس سے یہ نتیجہ نکال لینا کہ یہ شخص عنقا کے وجود پر یقین اور اُس کے ملنے کی امید رکھتا ہے اور جس روز عنقا ملیگا اُسی روز کیمیا بھی ہاتھ آجائیگی۔ محض نادانی ہے۔ تعلیق محال بالمحال کی نہایت عمدہ مثال خدا تعالیٰ کے ایک اور قول میں ہے جہاں فرمایا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَاۗءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰي يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (سورہ اعراف) یعنے جب تک سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ نہ نکل جائیگا کوئی کافر بہشت میں نہ جائیگا۔ اس سے یہ سمجھنا کہ واقعی ایک وقت ایسا بھی آئیگا کہ اُس وقت اونٹ سوئی کے ناکہ میں سے گذر جائیگا۔ خلاف منشاء قایل تفسیر کرنی ہے۔ چنانچہ ایک شاعر نے قصدًا اشاعر انہ غرض سے اس فرضی خیال کو واقعی تسلیم کرکے ایک نہایت لطیف مضمون باندھا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ؎ آنچہ بر من مے رود گر بر شتر رفتے زغم ۔ میرہندے کافراں در جنت الماوا علم ؛ یعنے

جو غم مجھ پر گذرتا ہے وہ اگر اونٹ پر گذرے۔ تو کافر بہشت میں پہنچ جائیں۔ مطلب شاعر کا یہ ہے کہ اس غم سے اونٹ اس قدر لاغر ہو جائے کہ سوئی کے ناکہ میں سے اُس کا نکلنا ممکن ہو جائے۔ اور چونکہ کافروں کا بہشت میں داخل ہونا اسی شرط کے ساتھ مشروط تھا اس لئے وہ بھی بہشت میں داخل ہو جائیں۔ جواز تعدُّد ازدواج کی نسبت جو خداوند تعالیٰ کا قول ہے وہ بھی اسی قسم کا ہے جس کا منشاء اظہار اس امر کا ہے کہ تعدّد ازدواج میں سخت اندیشہ عدم قیام عدل کا ہے۔ ہاں اگر کوئی ایسا بشر ہے جسے عدل نہ کرسکنے کا اندیشہ نہ ہو تو وہ جتنی چاہے بیبیاں کرلے۔ دو دو تین تین چار چار۔ بلکہ یہاں یہ بھی مقصود نہیں کہ عدل کرسکنے کی حالت میں چار تک کی ہی اجازت ہے۔ بلکہ یہ ایک طریق و اسلوب کلام ہے کہ جتنی چاہے کرلو۔ دو کرو تین کرو چار کرو۔ کیونکہ حقیقت میں اُس سے کوئی اجازت کسی عدد خاص کی دینی منظور ہی نہیں ہے۔ اس قول سے تعدد ازدواج کا جواز ثابت کرنا ویسا ہی شاعرانہ خیال کا رتبہ رکھے گا جیسا اوپر کے شعر میں کافروں کا بہشت میں جانا ؛

اصول فقہ و اصول تفسیر کے بموجب اس آیت پر ایک اور قابل غور بحث پیش آتی ہے جس کی طرف شاید اب تک پوری توجہ نہیں کی گئی۔ ہماری رائے میں اس آیت سے مطلق نکاح کی نسبت کوئی حکم نکالنا ہی سخت غلطی ہے۔ بلکہ اس آیت سے صرف ایک خاص صورت کے نکاح کا حکم نکلتا ہے۔ عرب کے لوگوں میں ایک نہایت مذموم اور بیرحمی کی رسم زمانہ جاہلیت میں جاری تھی کہ وہ یتیم ولاوارث لڑکیوں کو پال لیتے تھے اور جب وہ بڑی ہو جاتی تھیں تب اُن سے نکاح کر لیتے تھے چونکہ اُن کا کوئی والی وارث نہ ہوتا تھا اس لئے وہ اُن یتیموں کا مال

کرجاتے تھے اور اُن لاوارثوں سے نکاح کرنے کی اصلی غرض اُن کا مال ہضم کرنا ہوتا تھا جیسا
آج کل بھی بہت اشخاص طوایف سے نکاح صرف اس غرض سے کرتے ہیں کہ عمدہ مالیت کا
زیور اُن کے ہاتھ آجائے اور بعض اشخاص باوجود نیک بی بی کی موجودگی کے اس تاک میں
لگے رہتے ہیں کہ کوئی مالدار بی بی نکاح میں آجائے۔ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان یتیم بیکس
لڑکیوں پر ظلم کرنا منع فرمایا اور کہا کہ اُن کے حق میں انصاف کرو اور پھر یہ فرمایا کہ اگر تم کو اپنی
قوت انصاف پر بھروسہ نہ ہو۔ اور یہ اندیشہ ہو کہ ایسی بیکس یتیموں سے نکاح ہوگا تو ضرور ہم سے
بے انصافی سرزد ہوگی تو ہرگز ایسی لڑکیوں کو نکاح میں مت لاؤ بلکہ اور عورتوں سے جن کے والی
وارث موجود ہوں جو تم سے اُن کے سلوک کی نسبت بازپرس کرسکیں نکاح کرلو۔ لیکن اُن کے
ہمراہ بھی عدل کی شرط ہے کیونکہ وہ اصل اصول نکاح ہے اگر تم عدل کرسکتے ہو تو چار تک نکاح
کرلو اگر عدل نہیں کرسکتے تو صرف ایک نکاح کرو ؎

اب اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ اس آیت سے عام نکاح کے متعلق کوئی حکم دینا
مقصود شارع نہ تھا بلکہ جو لوگ لاوارث لڑکیوں پر ظلم کرتے تھے صرف اُن کے نکاح کے باب
میں یہ آیت وارد ہوئی ہے۔ پس اگر اس زمانہ میں بھی اس قسم کے لوگ ہوں کہ اُن کے اختیار
میں یتیم لڑکیاں ہوں اور اُن سے نکاح کرنے میں یہ اندیشہ ہو کہ انصاف قایم نہیں رہ سکیگا تو
اس آیت کے رو سے اُن کو جایز ہے کہ وہ بشرط عدل ایک سے زیادہ نکاح کرلیں الا اگر یہ صورت
نہیں ہے تو عام نکاح کی نسبت کہ آیا ایسی حالت میں بھی ایک سے زیادہ نکاح جایز ہے یا نہیں
قرآن مجید ساکت ہے اور غالباً اس امر کا تصفیہ حالت تمدّنی و تہذیب زمانہ و سہولت فریقین

پر چھوڑا گیا ہے۔ پس اس حکم قرانی سے کسی طرح تعدّد ازدواج کا جواز بالعموم ثابت نہیں ہوتا اور اس لئے یہ حکم مردوں کی فضیلت کی دلیل نہیں ہو سکتا۔

طلاق کا اختیار جو مردوں کو دیا گیا ہے وہ ایسا ہے کہ مردوں کو اس سے شرمانا چاہئے اور اگر اُن میں شرافت انسانی کا ثبوت ہو سکتا ہے تو اُس اختیار کو استعمال میں نہ لانے سے ہو سکتا ہے طلاق ایک نہایت تلخ مزہ دوا ہے جو صرف ایسے مرض کا علاج ہے جس کی اور کوئی تدبیر معالجہ نہ ہو سکے۔ میاں بی بی کے باہمی تعلقات ایسے نازک اور اہم اور قابل اخفاء ہوتے ہیں کہ دنیاوی عدالتوں کی طرف اُن کے انفصال کے لئے رجوع کرنا اُن رنجشوں کو اور ترقی دیتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ نکاح ایک معاہدہ مثل دیگر معاہدوں کے ہے اور معاہدوں کی تکمیل کے بعد ہر فریق کو اختیار ہے کہ عہد شکن فریق کو ایفاء معاہدہ پر شرعاً مجبور کرے یا کرائے۔ مگر یہ عہد شکنی ایسی حالت قلبی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ اُس حالت کی موجودگی میں جبرًا ایفاء معاہدہ کرنا صرف ایک ظاہری ایفاء ہو سکتا ہے۔ لیکن حقیقتہً وہ معاہدہ شوہر و زوجہ کی قلبی ارتباط سے تعلق رکھتا ہے اور جبر سے اُس کا ایفاء حقیقی ممکن نہیں ہے۔ کچھ شک نہیں کہ ظاہری مُعاہدہ ایک بیرونی نشان اور اعلان دو شخصوں میں روحانی رشتہ پیدا ہونے کا ہے لیکن روح کھو کر صرف جسم باقی رکھنا یعنی اصلی اغراض نکاح کو چھوڑ کر عدالت سے ظاہری مُعاہدہ کا ایفاء بہ جبر کرانا کیا فایدہ دے سکتا ہے۔ ضرور ہے کہ ایسے ناگزیر حالات میں فریقین کی رائے سے علیحدگی کی اجازت دی جائے مگر سوال یہ ہے کہ کس فریق کے ہاتھ میں یہ اختیار رکھا جاوے۔ ہماری رائے میں جہاں تک طلاق کا باعث ناممکن العلاج رنجش باہمی ہو اُس کا اختیار دونوں فریق میں کسی کے ہاتھ میں

ہونا یکساں نتیجہ پیدا کریگا۔ کیونکہ عموماً یہ ممکن نہیں ہے کہ مرد تو اپنی بیوی سے یہ کہے کہ میں آیندہ تجھ کو اپنی بی بی بنا کر رکھنا نہیں چاہتا۔ اور بیوی کو اُس مرد سے ایسی محبت قلبی ہو کہ اس سے جُدا نہ ہونا چاہے۔ پس ایسی حالت میں ضرور ہے کہ علیحدگی ہو خواہ اُس کا اظہار مرد کی جانب سے ہو خواہ عورت کی جانب سے ؞

کوئی شخص اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ عورت میں شرم اور حیاء اور خواہش حفظ ناموس مرد سے بدرجہا زیادہ ہے شرم وحیاء اُس کی سرشت میں گویا خمیر کردی گئی ہے اور تمام وہ اخلاق لطیفہ جن سے نرمی مزاج جو عورت کو طبعًا دی گئی ہے ظاہر ہوا ان ہیں بدرجہ اتم واکمل پائے جاتے ہیں۔ رحم۔ ترس۔ خوف خدا۔ ہمدردی۔ محبت عورات کی خلقی صفات ہیں۔ جو علیحدگی طلاق کے ذریعہ سے عمل میں آتی ہے خواہ وہ خاص حالات میں کیسی ہی معقول وجوہات پر مبنی ہو لیکن اُس کا ظہور ایسے انسان سے جس کی سرشت محبت والفت سے بنی ہو نہایت مکروہ وبدنما معلوم ہوتا۔ اور اُس سراپا الفت پر جس کے رگ وریشہ میں سچی وفاداری رکھی ہے نہایت بدزیب داغ ہوتا اس لئے خدایتعالیٰ نے ایسے کریہ الزام سے جس کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی فرماتے ہیں کہ دنیا کی تمام جایز چیزوں میں سے بدترین چیز ہے عورت کی ذات کو محفوظ رکھا۔ افسوس ہے مردوں کے حال پر اور اُن کی نالایقی پر کہ خدایتعالیٰ تو ایک چیز کو بدترین شے فرماوے اور مرد اُس کو اپنی فضیلت کا موجب قرار دیں۔ البتہ یہ بات غور طلب ہے کہ آیا مردوں کو کوئی ایسا اختیار تو نہیں دیا گیا کہ اُس کے ذریعہ سے وہ عورتوں کو ناواجب طور پر ستا سکیں۔ ممکن تھا کہ مرد باوجود رنجش باہمی کے عورت کو طلاق دے کر علٰحدہ

نہ کرتا اس غرض سے کہ وہ اس حالت زبون سے نجات نہ پائے ایسی صورت میں عورت کو اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جبر اًمرد سے بذریعہ قاضی طلاق حاصل کرے۔ اور عورت کے اس حق کو عرف شرع میں خلع کہتے ہیں۔ اس صورت میں بھی گو عورت اپنا مقصد علٰحدگی حاصل کرلیتی ہے مگر بقول شخصے کہ سانپ مرے اور لاٹھی نہ ٹوٹے خدا تعالیٰ نے علٰحدگی کا الزام عورت پر آنے نہیں دیا بلکہ ظاہراً اُس کو قاضی کی طرف منتقل کر دیا۔ اخبار صحیحہ میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ میں حفصہ بنت سہل ایک نہایت حسینہ و شکیلہ عورت تھی۔ اُس کا شوہر جو نہایت بدشکل تھا اُس کے حسن و جمال پر فریفتہ تھا مگر بی بی کو اُس سے سخت نفرت تھی اور اُن میں ہر روز بدمزگی و رنجش رہتی تھی۔ آخرش حفصہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا حضرت میرا دل اپنے شوہر سے از حد نفرت رکھتا ہے اور خوف ہے کہ مبادا حقوق شوہر میں کمی کرنے سے مجھ سے مواخذہ ہو۔ آپ مجھے اُس سے جُدا کر دیجئے۔ آپ نے بہت کچھ سمجھایا۔ مگر جب دیکھا کہ اُن کا اتفاق مشکل ہے تو اُس کے شوہر سے اُس کو علٰحدہ کرنے کو کہا۔ شوہر نے عرض کیا کہ میں نے اس کو ایک باغ دیا ہے اور اب یہ خود بلا میرے قصور کے مجھ سے علٰحدہ ہوتی ہے پس میرا باغ واپس کرا دیجئے۔ حفصہ نے کہا کہ اگر باغ کے ساتھ کچھ اَور بھی لیکر مجھے چھوڑ دے تو غنیمت ہے۔ آخر حضرت نے صرف باغ واپس کرا کر اُن کو علٰحدہ کر دیا۔ پس مرد کی بدسلوکیوں سے بچنے کے لئے عورتوں کو اس سے بہتر اور کیا حق دیا جا سکتا تھا اور اس سے زیادہ دلجوئی و مراعات عورات کی کیا ہو سکتی تھی جو شارع علیہ السلام نے قانون شرعی میں ملحوظ رکھی۔ دنیا کی سب دلایل جب محض نکمی نکلیں تو مرد عالم آخرت کی طرف دوڑے اور اپنی

فضیلت کا دارمدار حوران بہشتی پر ٹھیرایا۔ مگر یہ دلیل بھی اپنی بیہودگی میں باقی دلایل سے کم نہیں ؂

قرآن مجید کے الفاظ جن پر یہ فرضی بزرگی ثابت کی جاتی ہے یہ ہیں۔ وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ یعنے اُن کے لئے بہشت میں پاک جوڑے ہونگے۔ ان الفاظ سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ھُمْ جو ضمیر مذکر ہے مردوں کی طرف راجع ہے اور ازواج سے حوران بہشتی مراد ہیں۔ مگر اس آیت کے یہ معنے سمجھنا قرآن مجید کے طرز خطاب و سیاق کلام اور خاص اسلوب کلام الٰہی سے ناآشنائی ظاہر کرتا ہے ؂

قرآن مجید کا خاص طرز ہے کہ جس خطاب میں وہ مرد اور عورتوں کو شامل و داخل سمجھتا ہے اکثر اوقات اس کو صرف بصیغہ مذکر تغلیبًا استعمال کرتا ہے۔ قرآن مجید کی پہلی آیت ہی کو دیکھو جہاں فرمایا ہے ھُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ الخ اس آیت میں متقین اور اُس کے بعد تمام صیغہائے فعل بصورت مذکر ہیں حالانکہ یہ مقصود ہرگز نہیں کہ قرآن مجید اُن پرہیزگار مردوں کے واسطے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان لاتے اور نماز پڑھتے ہیں۔ بلکہ ان میں عورات بھی داخل ہیں۔ سیکڑوں جگہ قرآن مجید میں اقیمو الصلوٰۃ و اٰتو الزکاۃ بصیغہ مذکر آیا ہے۔ کیا یہ سمجھنا صحیح ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم صرف مردوں کے لئے ہے اور عورتیں اُس سے معاف ہیں۔ ہرگز نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس روزہ رمضان کی نسبت حکم ہے کہ مَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ۔ جس کے لغوی معنے یہ ہیں کہ تم مردوں میں سے جو چاند دیکھے اُس کو روزہ رکھنا چاہئے۔ اگر اس حکم میں عورات کو داخل نہ سمجھیں

توکوئی حکم فرضیت روزہ کا عورات کے لئے قرآن مجید سے نہ نکلیگا۔پس ایسے مقامات پر مذکر کا صیغہ خاص مردوں کے لئے استعمال نہیں کیا گیا بلکہ تغلیباً استعمال کیا گیا ہے۔اردو میں بھی اس طرح کا استعمال کثرت سے ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں کہ بُرا کرنے والے کا انجام بُرا ہوتا ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ بُرا کرنے والی (عورت) کا انجام بُرا نہیں ہوتا۔ اسی طرح زوج سے بی بی مراد سمجھنا بھی غلطی ہے۔عربی میں زوج کے معنے جوڑے کے ہیں۔عورت مرد کی زوج اور مرد عورت کا زوج کہلاتا ہے اس لفظ کا اس قسم کا استعمال بھی نہایت خوبصورتی سے حقوق زوجین کے مساوات ظاہر کرتا ہے۔پس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں کے نیک اعمال ہونگے وہ بہشت بس جائینگے اُن کو وہاں پاک جوڑے ملینگے۔یعنے مردوں کو عورتیں اور عورتوں کو مرد ٭

اس معنی پر شاید یہ تعجب ہوگا کہ مردوں کو تو حورانِ بہشتی ملینگی مگر عورتوں کو کیا ملیگا۔یہ تعجب صرف اس سبب سے پیدا ہوتا ہے کہ مردوں نے اپنی سفاہت اور دنائت نفس کی وجہ سے بعض مقامات قرآن مجید کے ایک خاص معنے اپنے ذہن میں قرار دے لئے ہیں اور اُن کو صحیح فرض کرلیا ہے۔اب اگرچہ وہ دوسرے صحیح معنے کے اختیار کرنے پر آمادگی ظاہر کرتے ہیں اور اپنے ذہن کا معانی مشہورہ سے خالی کردینا بتلاتے ہیں۔مگر اُن معانی مشہورہ کا بے معلوم اثر اُن کے دل پر باقی رہتا ہے اور وہ اثر کسی دوسرے معنے کو چسپاں نہیں ہونے دیتا۔سب لوگوں کے دلوں میں یہ بات جمی ہوئی ہے کہ قیامت کے دن مردوں کو حورانِ بہشتی ملینگی۔اب ہم کہتے ہیں کہ یہ خیال غلط ہے اس کو دل سے دور کردو۔اور جو معنے ہم بتلاتے ہیں وہ سنو۔وہ کہتے ہیں کہ اچھا ہم نے اپنے ذہن سے وہ معانی تو دور کردئے۔اب بتلاؤ کہ مردوں کو تو حورانِ بہشتی

ملینگی۔ عورتوں کو کیا ملیگا؟ حالانکہ مردوں کو حوران بہشتی کا بمعانی معروف ملناہی توذہن سے خارج کرناتھا۔ اب اُسی کو تسلیم کرکے اعتراض کیا جاتا ہے جو سخت غلطی ہے قرآن مجید میں ایک آیت ایسی نہیں ملتی جس سے معلوم ہو کہ حوران بہشتی کوئی جداگانہ مخلوق ہے جو مردوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔ عربی زبان میں ہر سیاہ چشم گوری عورت کو حور کہتے ہیں۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز سب آدمی جوان اور یکساں عمر کے پیدا کئے جائینگے۔ مردوں کی نسبت زیادہ صراحت نہیں کی گئی لیکن عورتوں کی نسبت توصاف ارشاد ہوا ہے کہ ہم نے اُن سب کو ایک اُٹھان پر اُٹھایا ہے اور اُن کو کنواریاں کردیا۔ اپنے شوہروں کی ہم عمر اور پیار دلانے والیاں۔ انہیں عورتوں کو

قال اللّٰہ انشاناھن انشاءً فجعلناھن ابکاراً عُرُباً اتراباً لِاَصْحٰبِ الیمین الواقعہ

کبھی بہ لفظ سیاہ چشم (حور) اور کبھی بہ لفظ شرمگین (قاصرات الطرف)۔ کبھی بہ لفظ اچھی بیبیاں (خیرات) اور کبھی بہ لفظ بیویاں (ازواج) قرآن مجید میں بیان کیا ہے اور سیاق قرآن اور چند احادیث کے مضمون سے بعض صحابہ وتابعین مثلاً حضرت ابن عباس اور مجاہد اس طرف گئے ہیں کہ آیات قرانی میں جن الفاظ سے حوریں ایک جُدا مخلوق سمجھی جاتی ہے وہاں دنیا کی عورتیں ہی مراد ہیں۔ اور اس بات کے کہنے سے کہ کوئی اُن کے پاس نہیں پھٹکا یہ مراد ہے کہ جب سے وہ دوبارہ پیدا ہوئیں تب سے اُن کے پاس کوئی نہیں پھٹکا۔ اس سے ظاہر ہے کہ جن خوبصورت عورتوں کے ملنے کا ذکر ہے

بعضھم یقول بعنی نساء الدنیا انشئن خلقا آخرا ابکارا قال الشعبی وزاد لم یمسھن منذ انشئن خلقا قال ابن عباس من الادمیات اللاتی متن ابکارا۔ تفسیر کبیر ومثیر ساکن الغرام الی روضات دار السلام

وہ دنیا کی ہی بیبیاں ہیں جو اُس عالم قدس میں بدل کر حسین اور پیار دلانے والیاں کردیجائینگی اور پاک زندگی کے ساتھ اپنے پیارے شوہروں کے ہمراہ ایسی جاودانی حالت میں رہینگی کہ اُن میں پھر تغیر و تبدل نہوگا۔ سورہ رعد میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اہل جنت بہشت جاودانی میں داخل ہونگے اور اُس جگہ اُن کے باپ اور اُن کی بیبیاں اور اُن کی آل و اولاد بھی جو نیکوکار تھی۔ ہوگی۔ پھر سورۂ طور

جنات عدنٍ یدخلونہا ومن صلح من آبائہم وازواجہم وذریاتہم الخ

میں فرمایا کہ جو لوگ ایماندار ہیں اور اُن کی اولاد بھی ایماندار رہے اُن کو ہم اُن کی اولاد کے ساتھ ملا دینگے۔ پھر سورہ زخرف میں فرمایا ہے کہ اپنی بیبیوں کے ساتھ جنت میں داخل ہو اور اُس کی سیریں کرو۔ غرض اسی قسم کی اور بہت سی آیات قرآنی ہیں جن سے پایا جاتا ہے کہ اُس روحانی پُرلطف زندگی میں اہل جنت اپنے پیارے عزیز و اقارب کو اپنے ساتھ پائینگے ؛

الذین آمنوا واتبعتہم ذریتہم بایمان الحقنا بہم ذریتہم الخ

قال اللہ تعالیٰ ادخلوا الجنۃ انتم وازواجکم تحبرون ٥ (الزخرف)

ان تمام بیانات و تشریحات سے بخوبی ثابت ہوا کہ نہ مردوں کی ساخت دماغی میں کوئی ایسی بات ہے کہ اُس کے رو سے وہ کسی خاص مسئلہ عقلی سمجھنے کی استعداد رکھتے ہیں اور عورتیں اُس کے سمجھنے سے قاصر ہیں نہ قرآن مجید نے مردوں کو کوئی ایسی منزلت دی ہے کہ اُن کو عورتوں کا حاکم یا[1]

[1] بعض احادیث میں آیا ہے کہ اگر خدا انسان کو انسان کے لئے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ ایسی احادیث میں شوہر کے درجہ کی عظمت بیان کی گئی ہے۔ مرد عورت کی تمیز سے بحث نہیں ہے۔ بعض رشتے اور بھی ایسے ہیں جن کو خدا نے بزرگی دی ہے۔ مثلاً باپ کا درجہ۔ بیٹے اور بیٹی سب پر باپ کا بے حد ادب اور تعظیم لازم ہے۔ حالانکہ بیٹا اور باپ دونوں مرد ہیں اور کوئی ذاتی فرق نہیں رکھتے۔ اسی طرح شوہر بوجہ رشتہ شوہری بیوی سے ادب و تعظیم کا مستحق ہے۔ ایسی احادیث سے نہ مردوں کی وہ فضیلت ثابت ہوتی ہے جو مرد ثابت کرنا چاہتے ہیں اور نہ ان احادیث سے ہم انکار کرکے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ عورتوں کو شوہروں کی تعظیم و اطاعت نہیں چاہئے۔

یہ ہی معنی للرجال علیہن درجہ کے ہیں۔ رجال سے عام طور پر مطلق مرد مراد نہیں ہیں بلکہ رجال سے شوہر مراد ہیں کیونکہ یہ آیت شوہر و زوجہ کے حقوق کے متعلق ہے نہ مطلق مرد اور مطلق عورت کے متعلق فافہم۔

سردار سمجھا جائے۔ جہاں تک احکام شرعی پر غور کی گئی ہے مردوں اور عورتوں میں مساوات حقوق ثابت ہوتی ہے۔ سورۂ نساء جس میں عورتوں کی نسبت زیادہ تر احکام ہیں اس طرح شروع ہوتی ہے۔ اسے لوگو اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک قسم کی جان سے پیدا کیا اور اسی سے تمہارا جوڑا پیدا کیا۔ اس سورۃ میں ورثاء اور یتیموں اور عورتوں کے حقوق بیان

يا ايها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منها زوجها

کئے گئے ہیں اور اُن کے حق میں بے انصافی کو منع کیا ہے اس لئے اول ہی فرمایا کہ سب مرد اور سب عورتیں ایک سی جان اور ایک سی خواہشیں رکھتی ہیں جس طرح تم کو حق تلفی سے رنج پہنچتا ہے اسی طرح دوسرے مظلوم مردوں اور عورتوں کو پہنچتا ہے کیونکہ تم سب ایک طرح کی جان رکھتے ہو۔ اس لئے اُن کے حق میں بے انصافی کرنے سے اللہ سے ڈرو۔ پھر اسی سورہ میں باوجود اس کے کہ عورت کے جملہ مصارف شوہر کے ذمہ ہیں اُس کو ترکہ پدری میں مرد کے نصف حصہ کی برابر اَدھا حصہ دیا جیسا کہ اوپر مذکور ہوا بلکہ بعض صورتوں میں مرد اور عورت کا حصہ بالکل برابر ہی کر دیا مثلاً اگر میت اولاد اور والدین چھوڑے تو اُس صورت میں میت کے والدین کو چھٹا چھٹا حصہ ملیگا یعنی اُس کی ماں اور باپ مساوی حصہ پائینگے علیٰ ہذالقیاس جب میت کے نہ والدین ہوں نہ اولاد بلکہ صرف بھائی بہن ہوں تو بھائی بہن کے لئے بھی مساوی حصہ مقرر کیا گیا ہے ۔

پھر عورتوں کے لئے حق مہر جدا مقرر کیا گیا ہے اور بحالت طلاق اُس تمام مہر میں سے خواہ کتنا ہی کیوں نہ ہو مرد کو ایک حبہ تک واپس لینے کی اجازت نہیں دی گئی۔ عرب میں ایک

نہایت خراب دستور تھا کہ جب کسی عورت منکوحہ سے نفرت ہوجاتی تھی تو اُس کے ساتھ سخت کج ادائی کرتے تھے لاچار وہ دق ہوکر مہر واپس کرکے طلاق لے لیتی تھی۔ خدا تعالیٰ نے اس رسم قبیح کو اس طرح منع فرمایا کہ عورتوں کو تنگ مت کرو اس نیت سے کہ جو تم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے کچھ واپس لو۔ پھر اُن کے ساتھ حُسن سلوک کی یوں تاکید فرمائی ہے کہ عورتوں کے ساتھ نیک معاشرت کرو۔ اور اگر تم کو وہ بُری لگیں تب بھی یہ سمجھنا چاہیئے کہ ممکن ہے کہ تم کو ایک شے بُری لگے اور اللہ اُس میں تمہارے لئے بھلائی کرے۔ پھر مرد اور عورت میں مساوات اس طرح ظاہر فرمائی کہ مردوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے اور عورتوں کو اپنی کمائی کا حصہ ہے یعنے دونو برابر ہیں ایک کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے ہر ایک کے لئے اپنے اپنے اعمال ہیں ۞ پھر عورتوں کے حق خُلع کو یوں بیان فرمایا اگر کوئی عورت اپنے شوہر کی بدمزاجی سے ڈرے تو کچھ ہرج نہیں کہ وہ آپس میں صلح کرلیں اور اگر وہ علیحدہ ہوجائیں تو ہر ایک کو اللہ اپنی فراخ دستی سے غنی کریگا۔

لا تعضلوهن لتذهبوا ببعض ما اٰتيتموهن عاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسىٰ ان تكرهوا شيئًا ويجعل الله فيه خيرًا كثيرًا۔ للرجال نصيبٌ مما اكتسبوا وللنساءِ نصيبٌ مما اكتسبن۔ وان امرأة خافت من بعلها نشوزًا او اعراضًا فلا جناح عليها ان يصلحا بينهما صلحًا والصلح خيرًا واحضرت الانفس الشح وان تحسنوا وتتقوا فان الله كان بما تعملون خبيرًا۔ وان يتفرقا يغن الله كلًا من سعته

پھر شوہر و زوجہ میں ناموافقت ہونے کی صورت میں مصالحت عمل میں لانے کے لئے بھی وہی طریق

مساوات قایم رکھ کر فرمایا کہ اگر میاں بی بی میں نا اتفاقی کا اندیشہ ہو تو دو ثالث فیصلہ کے لئے

وَاِنۡ خفتم شقاق بینہما فابعثوا حکمًا مِن اھلہ وحکمًا من اھلہا

مقرر کرو ایک ثالث شوہر کے کُنبہ میں سے اور دوسرا ثالث بی بی کے کُنبہ میں سے ۔ غرض جہاں تک قرآن مجید کی آیات پر غور کی جاتی ہے عورتوں کے حقوق کی مردوں کے حقوق کے ساتھ مساوات ثابت ہوتی ہے ؛

مردوں اور عورتوں میں خلقی فرق جو ہے وہ صرف اعضاء بقاء نوع سے تعلق رکھتا ہے اور کسی قوۃ دماغی کا انحصار اس فرق پر نہیں ہے ۔ اس فرق کا اور نیز اس امر کا کہ عورتیں خلقۃً کمزور ہیں صرف یہ مقتضاء ہے کہ عورت بچے جنے اور اُن کی پرورش کرے اور مرد تمام امورات شاقہ کے متحمل ہوں اس فرق بیّن کے علاوہ بعض حذاق نے مرد و عورت کے قُویٰ دماغی میں بھی ایک نازک فرق محسوس کرنے کا دعویٰ کیا ہے یعنے یہ کہ مردوں میں ادراک کلیات کا مادّہ فطرتاً زیادہ ہے اور عورتوں میں ادراک کلیات کی قابلیت بہت کم ہے اُن کا ذہن صرف ادراک جزئیات کے لئے مناسب ہے ۔ مگر اول تو یہ تفریق صرف فرضی و وہمی معلوم ہوتی ہے جس کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے ۔ دوم اگر یہ فرق حقیقت میں قابل محسوس ہو سکنے کے ہے تو اُن کی حالت موجودہ تربیت و حالت تمدنی سے اُس کی بخوبی توجیہ ممکن ہے ۔ سوم اگر یہ فرق واقعی قُویٰ دماغی میں ہے تو اس کی وجہ سے عورتوں میں ایک ایسا وصف پایا جاتا ہے جس کا مقابلہ مردوں سے اُس وصف میں نہیں ہو سکتا ۔ یعنے ادراک جزئیات کے لئے قویٰ کے مناسب ہونے سے اُن میں انتقال ذہن اس سرعت سے ہوتا ہے کہ مردوں میں ممکن نہیں ہے ۔ بلکہ اس کے ساتھ

ہر امر کے کُنہ کو نہایت برق نگاہی سے پا لینا۔ نہایت لطیف لطیف باتوں کو اشارہ میں سمجھ جانا اور ایک امر کو چھوڑ کر دوسری طرف اور دوسرے امر کو چھوڑ کر تیسری طرف نہایت آسانی سے ذہن کو منتقل کر لینا یہ اوصاف جس اتم و اکمل درجہ کے عورات میں پائے جاتے ہیں وہ مردوں میں نہیں پائے جاتے۔ ممکن ہے کہ اگر ادراک جزئیات کی نسبت ادراک کلیات کے لئے عورتوں کے دماغ زیادہ موزوں ہوتے تو وہ بے حد تنوّع جو بے شمار امور خانہ داری میں پایا جاتا ہے انہیں خانہ داری کے قابل نہ رکھتا۔

مختصر یہ کہ قوی عقلی میں عورتیں کسی طرح مردوں سے کم نہیں ہیں اور کوئی علمی مسئلہ آج تک ایسا ثابت نہیں ہوا کہ وہاں تک مردوں کے ذہن کی رسائی ہوتی ہو اور عورتوں کی نہ ہوتی ہو۔ بلکہ جہاں تک ہمارا اور ہمارے چند احباب کا تجربہ لڑکیوں کی تعلیم کے باب میں ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہ نسبت لڑکوں کے لڑکیاں زیادہ ذہین اور طبّاع اور روشن ضمیر ہوتی ہیں۔ جن لڑکیوں نے مدرسہ میں تعلیم نہیں پائی اور اپنے گھروں میں نوشت و خواند سیکھی ہے اُن کا قصہ سُننے سے ہمیں بے انتہا تعجب ہوا۔ اکثر صورتوں میں یہی سُنا کہ اُن کو کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں ہوئی نہ کوئی خاص شخص اُن کی تعلیم کے لئے مخصوص ہوا بلکہ دو چار حرف بہن سے۔ دو چار حرف بھائی سے۔ دو چار حرف والدہ سے اُٹھتے بیٹھتے سیکھتی رہیں بھائی بہنوں کو لکھتے دیکھ کر خود اُن کی نقل کرنے لگیں رفتہ رفتہ خود ہی اس قدر لکھنا پڑھنا آگیا کہ کئی کئی سال تک کے لئے بھائیوں کی تعلیم کی خاصی معلمہ بن گئیں۔ ہم نے کبھی کسی لڑکے کو اس طرح کی ادھوری تعلیم سے کوئی فایدہ حاصل کرتے نہیں دیکھا جس والدین یا بھائی کو یکساں عمر کا لڑکا اور لڑکی پڑھانے کا اتفاق ہوا ہوگا اُسے صاف روشن

ہو گیا ہو گا کہ لڑکے عموماً عقل کے بھدّے۔ اور کم تیز ہوتے ہیں اور لڑکیوں کے ہمراہ ہمیشہ پھسڈّی رہتے ہیں ؂

قویٰ اخلاقی میں تو یقیناً عورتوں کا پلہ بہت ہی بھاری ہے۔ شرم و حیاء و عِفّت جس قدر عورات کی سرشت میں دیکھو گے اُس قدر کیا اُس کا عُشرِ عشیر بھی مردوں میں نہیں ہے منشی عنایت اللہ لاہوری کی بہارِ دانش میں جتنے ناپاک قصّے عورتوں کی بدروئگی اور بیوفائی کے ہیں اُن میں سے ہر ایک قصہ میں سب سے زیادہ نُمایاں بدچلنی اور بدمعاشی کسی نہ کسی مرد کی پائی جاتی ہے جو اپنی عیارانہ چالوں سے شیطان مُجسّم بن کر باعث خلل اندازی عِفّت عورات ہوا ہے۔ درحقیقت اُن حکایات سے عورتوں کی نسبت زیادہ تر مردوں کی ہی بدچلنی ثابت ہوتی ہے۔ بعض حضرات عورتوں کے خلاف اس قدر سخت تعصب رکھتے ہیں کہ اگر وہ اپنے شوہر کی مَوت کے بعد نکاح ثانی بھی کر لیتی ہیں تو اس مثال کو بطور حکایت بیوفائی پیش کرتے ہیں۔ وہ خود برخلاف حُکم خدا و رسول متعدد نکاح کرتے ہیں۔ کسی جورو کے حق میں اپنا فرضی عدل بھی پورا نہیں کرتے اور بی بی کے مرتے ہی دوسری شادی کرتے ہیں اور اس شادی سے جو آفات پہلی بی بی کی اولاد پر پڑینگی اُن کا بھی مطلق خیال نہیں کرتے پھر بھی بے وفا نہیں ٹھیرتے۔ اور غریب بیکس بیوہ جو خدا و رسول کے حُکم کی تعمیل میں اور اکثر حالات میں قوت لایموت سے عاجز آکر نکاح جایز کرتی ہے وہ بے وفا کہلا کر ہدفِ تیرِ ملامت بنتی ہے۔ اگر نکاح ثانی علامت بیوفائی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مردوں کو سب سے زیادہ بے وفاء اور دغاباز نہ کہا جاوے جو محض بندہ نفس بن کر شادی پر شادی کرتے اور شریعت الٰہی کو توڑتے اور اولاد کے حق میں کانٹے بوتے ہیں عورتوں کو بے وفاء

کہنے پر مردوں کو للللہ شرمانا چاہئے۔ مسلمانوں میں نہ سہی تو نہ سہی۔ ہندؤں کی قوم کی عورتیں بھی آخر عورتیں ہیں جو اپنی بے مثل وفاداری اور جاں نثاری میں ہمیشہ سرخرو رہینگی۔ ستی کی رسم کیسی ہی مذموم کیوں نہ ہو۔ مگر اُس کی اصلیت پر غور کرو اور ایمان سے کہو کہ دنیا میں کسی قوم کسی ملت کسی مذہب میں کوئی مردوں کا بھی ایسا وفادار گروہ دیکھا یا سُنا گیا ہے جو بیویوں پر اپنی جان اس طرح نثار کرتا ہو جس طرح عورتوں کی نوع اپنے پیارے شوہروں پر پروانہ وار جان دیتی ہے۔ مرزا صائب کہتا ہے ؎ درمحبت چوں زنِ ہندو کسے مردانہ نیست۔ سوختن بر شمع مردہ کارِ ہر پروانہ نیست*

ان سب امور کے سوا جن میں سے متعدد فضیلت عورات ثابت کرتے ہیں یہ بات بھی کچھ کم قابل بیان نہیں ہے کہ گو اللہ تعالیٰ کوئی صورت شکل نہیں رکھتا مگر اُس پر سب اہل مذاہب جمیل کا اطلاق کرتے ہیں اور سب مسلمان اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ جمیل ویحب الجمال۔ یعنے اللہ تعالیٰ صاحب جمال ہے اور وہ خوبصورتوں کو دوست رکھتا ہے اس میں کیا شک ہے کہ اُس نے اپنے جمال جہاں آراء سے زیادہ تر حصہ عورتوں کو دیا ہے اور ہر قوم اور ہر ملک میں مردوں کی نسبت عورتوں میں حسن زیادہ پایا جاتا ہے۔ یہ شان محبوبیت جو خدایتعالےٰ نے اپنی شانِ کبریائی اور نور محمدی کا نمونہ بنایا ہے عورتوں میں پائی جاتی اُن کی عزت وتوقیر کا کافی خیال دلاتی ہے۔ اور وہ اپنی بے مثل مسخر کنندہ طاقت میں دنیا کی تمام طاقتوں اور مردوں کی قوتوں کو برگ کاہ سمجھتی ہیں۔ کس کو معلوم نہیں کہ جو فولاد دل کسی دنیا کی مصیبت یا آفت سے نہ جھجکتے تھے اور جو تیغ وتبر کی کوچوں کو پھول کی چھڑیاں سمجھتے تھے اُنہیں ایک نگاہ مست نے بے حواس کرڈالا۔ دنیا میں اس زور کی کون سی قوت برقی ہے جس کی ایک چنگاری کا آتشیں اثر بہادروں

کے خرمنِ ہوش اور عابد کی ریاضتِ صدسالہ کے جلانے کو کافی ہے۔ ایک نگاہِ ناز نے ہزاروں
عابدوں کے زہد کو ڈبویا ہے اور بڑے بڑے پرہیزگاروں سے اپنے در پر جبہ سائی کروائی ہے۔
غرض حسن کے مسمریزم نے کسی کو مجنوں وار دیوانہ صحرا نورد بنایا۔ کسی کو فرہاد صفت کوہ کن ٹھیرایا۔
کیا کوئی انکار کر سکتا ہے کہ یہ شان محبوبیت اُس معشوق حقیقی کے حسن جہاں افروز کا جزو نہیں ہے
کیا یہ ذرہ اُسی آفتاب عالمتاب کا نہیں ہے جس نے جہان کو منور کیا ہے؟ کیا عورتیں مستحق نہیں
ہیں کہ فخر سے کہیں ؎ گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ ۔ ذرہ آفتاب تابانیم؟

تعلیم

اب وہ زمانہ نہیں رہا جبکہ عورتوں کی تعلیم ایک نامانوس آواز معلوم ہوتی تھی۔ اور سینا اور
پکانا اور کاتنا عورتوں کے طبعی فرائض سمجھے جاتے تھے۔ لوگوں نے مانا یا نہ مانا مگر زمانہ نے
عورتوں کو پڑھانا شروع ہی کر دیا۔ اس لئے اب وہ مرحلہ کہ عورتوں کو تعلیم دینی چاہیئے یا نہیں
طے ہو گیا۔ بچوں کی نیک تربیت۔ امورات خانہ داری کا حسن انتظام۔ حقوق اللہ اور حقوق
عباد کی معرفت اور تعلیم یافتہ شوہروں بھائیوں باپوں کی نگاہوں میں مقبولیت۔ غمگین دل
کی خوشی۔ تنہائی میں رفیق مونس کی رفاقت ان سب ترغیبات یا شاید تعلیم پسند زمانہ کی محض
تقلید نے سب رسم و رواج کی بندشوں اور دستور قدیم کی بیڑیوں اور تلقینی عادات کی قیدوں
کو جھٹکے مار کر توڑ ڈالا ہے۔ اور تھوڑا بہت چرچا تعلیم کا ادنےٰ اعلےٰ ہر طبقہ کی عورتوں میں ہو گیا
ہے۔ گو کسی طبقہ میں مرات العروس و توبتہ النصوح پسند کی جاتی ہیں اور کسی طبقہ میں کنز المصلی یا
راہ نجات یا بعد حمد کافی سمجھی جاتی ہے۔ اور کوئی قرآن مجید یا پنجسورہ پر قناعت کرتے ہیں۔ اگر

یہ ہی رفتار زمانہ چلی جاوے تو جلد وہ زمانہ آجائیگا کہ کسی تعلیم یافتہ شوہر کو ناخواندہ بی بی رکھنی پسند نہ آئیگی۔ لوگ کچھ ہی کریں زمانہ ان سب مختلف طبقات خلایق کو ایک خاص درجہ تہذیب و شایستگی پر ضرور پہنچا کر رہیگا۔ خواہ یہ لوگ گرتے پڑتے خراب ہوتے سخت منزلیں طے کر کر منزل مقصود کو پہنچیں خواہ سیدھی مختصر آرام کی راہ سے *

ہم اس مختصر تحریر میں یہ بات فرض کر کے کہ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت سب کے نزدیک مسلم ہے صرف اس بات پر کچھ لکھنا چاہتے ہیں کہ یہ تعلیم کس حد تک ہونی چاہئے اور اُس کی کیا وجوہات ہیں۔ عورتوں کی تعلیم کی ضرورت خواہ کسی فایدہ دینی یا دنیاوی کی امید پر تسلیم کی گئی ہو ہماری راے میں جو امر اُن کی تعلیم کو مردوں کی تعلیم کی برابر ضروری ثابت کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اُن میں خدا تعالیٰ نے وہ سب قویٰ دماغی ودیعت کئے ہیں جو مرد کو عطا ہوئے ہیں۔ اس لئے عورتوں کو جاہل رکھنا آدھی دنیا کے قویٰ دماغی کو بیکار کرنا اور اُس حکیم صانع کی صنعت کو لغو ٹھیرانا ہے *

جب عورتوں کی تعلیم کی ضرورت اُن کے قویٰ دماغی کی موجودگی پر مبنی ہے تو اُس کی حد بھی اُن قویٰ کی حد استعداد و اندازہ قابلیت سے مقرر کی جاسکتی ہے۔ دو باتوں میں سے ایک بات لازم ہے یا تو عورات کے قویٰ عقلی میں جس قدر معلومات علوم حاصل کرنے کی گنجایش پاؤ اُن کو اُتنی ہی تعلیم دیتے جاؤ۔ یا اگر کوئی حد خاص تحصیل علم کے لئے مقرر کرتے ہو تو یہ ثابت کرو کہ اس حد خاص سے زیادہ علوم حاصل کرنے کا ملکہ جو خدا تعالیٰ نے عورات میں پیدا کیا ہے اُس کو لغو ٹھیرانے اور بیکار رکھنے کی کیا وجہ ہے۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو صرف اس قدر تعلیم کافی ہے جس سے وہ اپنے والدین اور دیگر اقربا کے حقوق پہچان لیں اور نماز روزہ کے

مسایل سے واقف ہوجاویں اس سے زیادہ پڑھانا عورتوں کے لئے نہایت خطرناک ہے اور
وہ لوگ زیادہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم سے عورتوں کے چال چلن بگڑنے کا سخت اندیشہ رکھتے ہیں۔
لیکن درحقیقت جن اندیشوں اور خیالوں نے اُن کے دل کو گھیرا ہوا ہے وہ اندیشے محض تعلیم
سے پیدا نہیں ہوتے بلکہ تعلیم کے بے جا استعمال سے۔ دنیا میں مفید سے مفید چیز کو دیکھو اور
غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اُس کا کئی طرح پر بے جا استعمال بھی ہوسکتا ہے۔ اور اُس سے خطرات
پیدا ہوسکتے ہیں۔ قینچی۔ چاقو کیسی کارآمد چیزیں ہیں اور خیال کرو کہ یہ دنیا میں نہ ہوں تو کیسی دقتیں
واقع ہوں۔ لیکن انہیں آلات کو ایک شریر شخص لوگوں کے کان ناک کاٹنے میں استعمال کرسکتا
ہے۔ اب اس اندیشہ سے کہ کوئی بدمعاش چاقو سے لوگوں کی ناک نہ کاٹ ڈالے یہ مناسب
ہے کہ دنیا میں چاقو کا بنانا موقوف کردیا جائے؟

ریل کس قدر آرام کی چیز ہے۔ مگر انجن ڈرایور کی ذراسی غفلت اور مے نوشی سے کس قدر
خرابیاں وقوع میں آسکتی اور آتی ہیں۔ کیا ان خرابیوں کے اندیشہ سے اُن تمام فواید بے شمار سے
جو شب و روز خلقت کو حاصل ہو رہے ہیں نظر بند کرلی جاوے؟

کچھ شک نہیں کہ علم ایک اعلیٰ درجہ کی طاقت ہے اور اُس کو جس مطلب اور جس غرض کے
لئے استعمال کیا جاوے وہ تعلیم کی مدد سے نہایت یقینی کامیابی کے ساتھ حاصل ہوسکتی ہے۔
تعلیم یافتہ شخص کی خوش اخلاقی۔ معرفت حقوق بزرگوں کی تابعداری۔ مظلوم کے ساتھ ہمدردی
عزیزوں کے ساتھ شفقت۔ بچوں کی پرورش۔ خوش انتظامی اور خوش مجبتی غیر تعلیم یافتہ شخص
کی انہیں قسم کی صفات کی نسبت نہایت اعلیٰ و اشرف و قابل تعریف ہونگے۔ علیٰ ہذا القیاس

تعلیم یافتہ اشخاص کی بدچلنی اور بدوضعی جاہل بدچلنوں پر کئی درجہ سبقت لے جاویگی - پس یہ اعتراض لڑکیوں کی تعلیم پر وارد نہیں ہوتا بلکہ درحقیقت انسان کی تعلیم پر وارد ہوتا ہے کیونکہ جو نقص تعلیم سے پیدا ہونے بیان کئے جاتے ہیں اُن سے مرد اور عورت یعنے کلُ انسان بدرجہ مساوی متاثر ہونگے - پس کیا وجہ ہے کہ تعلیم سے اس قسم کی خرابیوں کا اندیشہ لڑکوں کے لئے تو نہ کیا جاوے اور لڑکیوں کے لئے یہ خطرات بیان کئے جاویں ؛

علاوہ ازیں جب ہم لڑکیوں کی تعلیم کی سفارش کرتے ہیں تو ہماری کس تقریر سے یہ نتیجہ نکال لیا جاتا ہے کہ ہم اُن کی عمدہ تربیت اور نگرانی کے حامی نہیں ہیں - ہم جس کوشش سے اُن کو تعلیم دلوانا چاہتے ہیں اُسی کوشش سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس تعلیم کا نیک ترین استعمال اُن کو سکھایا جاوے ؛

اصل میں مرد دوہری غلطی کرتے ہیں - اول تو وہ اپنے آپ کو عورتوں سے افضل اور اعلیٰ اور ہر طرح ہر حق میں غالب سمجھتے ہیں - دوم غلطی یہ کرتے ہیں کہ اس علو و غلبہ فرضی کے لوازم میں یہ بھی شامل سمجھتے ہیں کہ وہ کسی امر ناشایستہ کا ارتکاب کریں اور اُن سے باز پرس نہ ہو - وہ افضلیت کو جابرانہ حکومت کے ساتھ جس میں حاکم تو دمختار سے کوئی شخص امر زیبا و نازیبا کی نسبت باز پرس کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا خلط کر دیتے ہیں - ہم ثابت کر چکے ہیں کہ کوئی اس قسم کی فضیلت مردوں کو حاصل نہیں ہے - دوم اگر وہ درحقیقت ایسے اعلیٰ اور ایسے اشرف ہوں جیسے وہ اپنے زعم میں سمجھے بیٹھے ہیں تو اُن کے چال چلن پر ذرا سا بھی دھبہ آنا عورتوں کے چال چلن کی نسبت زیادہ بدنما اور بدزیب ہوگا - غلام کا کسی حرکت ناشایستہ کا

مرتکب ہونا اس قدر اُس کے لئے باعث بے عزتی نہیں ہوسکتا جس قدر آقاء نامدار کے لئے
اُسی قسم کی نالایقی کا مرتکب ہونا۔ پس اگر تعلیم سے کچھ ضرر متصور ہے تو لڑکوں کی تعلیم بند کرنی
مناسب ہے۔ نہ کہ لڑکیوں کی ٭

سچ یہ ہے کہ خود مردوں کے اخلاق ایسے بگڑے ہوئے اور وہ ایسی ناپاک زندگی میں
ڈوبے ہوئے ہیں کہ خواہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کی کیسی ہی نگرانی کریں اُن کی عملی زندگی
اُن کی اولاد کو اُن کے نقش قدم پر چلنے کی ترغیب دئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس صورت میں
ایسے موجب ترغیب کے ساتھ علم کی طاقت کے ساتھ کمک پانا اُن سے سخت خراب نتیجہ پیدا
کروائیگا۔ کیا روحانی صلاحیت باپ کی نصیحت بچوں میں پیدا کریگی جب اُس نے ایک مسکین تابعدار
شریف بی بی کے ہوتے جو بدقسمتی سے خوبصورت نہ تھی گھر میں ایک کسبی ڈال رکھی ہے۔ کیا اثر
ہوگا ایک بڈھے ریفارمر کی نصیحت کا لوگوں اور اُس کی اولاد پر جبکہ تعدد ازدواج کے برخلاف
پچاس لکچر دینے کے بعد اُس نے عہد پیری میں چاردہ سالہ لڑکی سے بموجودگی اپنی بی بی کے
جو شوہر کی بیس سال کی عمر سے ساٹھ سال کی عمر تک رفیق غمگسار رہی نئی شادی رچائی ہو۔
ایسے لوگوں کی سزاء واجبی یہ ہے کہ اُن کی اولاد اُن کے نقش پر چلے اور دنیا کو تبلاوے کہ
بدی کا اثر بدی کرنے والے کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ نسلوں تک پہنچتا ہے ٭

لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کتاب عورتوں کے روبرو نہیں آنی چاہیئے۔ اور فلاں کتاب
زنانخانہ میں داخل نہیں ہونی چاہیئے۔ ہم کہتے ہیں کہ دیوانخانہ میں ہی کوئی ایسی کتاب کیوں
آنی چاہیئے جس کا عورت کے روبرو آنا مضر متصور ہو۔ پس بجائے اس کے کہ کتابوں کی فہرست

تیار کی جاوے جن کا پڑھنا عورتوں کو مناسب ہے نیکی کے ذریعہ سے اپنا چال چلن ایسا پاک اور مضبوط و مستحکم بنانا چاہیے جو اُن میں سچا مذاق خوش اخلاقی کا پیدا کرے اور نیکی کی محبت اور گناہ سے سخت نفرت اُن کے دل میں بٹھادے تاکہ پھر اُن کی نسبت اس قسم کے اندیشوں کی گنجایش ہی نہ رہے ❊

ہماری اوپر کی تقریر سے معلوم ہوگا کہ ہم عورتوں کی تعلیم کی کوئی حد مقرر کرنا پسند نہیں کرتے مگر کیا ہم پھر یہ چاہتے ہیں کہ اُن کو جبر مقابلہ اور مثی کاٹے کا حساب اور انگلینڈ کی تاریخ پڑھائی جاوے نہیں ہرگز نہیں۔ مگر کیا ان مضمونوں کی کتابوں کے پڑھانے کی مخالفت ہم اس وجہ سے کرتے ہیں کہ عورتوں کے مزاج میں کوئی ایسی خصوصیت ہے جو اس تعلیم کی منافی ہے۔ نہیں یہ بھی نہیں بلکہ ہم ان کتابوں کا پڑھنا صرف اس نظر سے ناپسند کرتے ہیں کہ جن اغراض کے لئے ہم عورتوں کی تعلیم ضروری سمجھتے ہیں اُن اغراض کے لئے ان کتابوں کا فی الحال پڑھانا چنداں مفید نہیں ہے عورتوں کی تعلیم کی ضرورت کے لئے کوئی تو یہ دلیل لاتا ہے کہ تعلیم پاکر وہ اپنے پرائے کے حقوق سے بخوبی آگاہ ہوجاوینگی۔ کوئی کہتا ہے کہ خانہ داری نہایت سلیقہ سے کرنے لگیں گی۔ کوئی فرماتے ہیں کہ بے علم نتواں خدارا شناخت۔ یہ سب دلایل صحیح ہیں مگر اصلی امر یہ ہے کہ یہ سب دل خوش کرنے کی باتیں اور دلایل کی تعداد بڑھانے کا حیلہ ہے۔ موجودہ تمدنی حالت میں عورات باوجود اپنی جہالت کے جملہ حقوق سے آگاہ۔ خانہ داری میں نہایت سگھڑ۔ اور طاعت و عبادت الٰہی کی شایق پائی جاتی ہیں۔ بے شک یہ صحیح ہے کہ بے علم معرفت الٰہی ممکن نہیں ہے مگر جس علم سے یہ بات حاصل ہوتی ہے وہ اور علم ہے۔ مرات العروس اور زبدۃ الحساب سے عرفانِ الٰہی

میں کسی درجہ کے حاصل کرنے کی امید رکھنا خیال بیہودہ ہے۔ کتابیں لکھنے والے اور تقریریں کرنے والے عورتوں کی تعلیم کے فرضی اور خیالی فایدے کچھ ہی بتایا کریں اور وہ کسی حد تک صحیح بھی ہوں مگر جہاں تک ہم کو لوگوں کے مزاج شناسی کا تجربہ ہوا ہے اس کے رو سے کہہ سکتے ہیں کہ عورتوں کو تعلیم دینا زیادہ تر اس غرض سے ہے کہ ان کی صحبت باعث مسرت اور ان کی ہمکلامی دلچسپ اور موجب تفریح و انشراح خاطر ہو۔ اگرچہ الفت و محبت کا مدار تعلیم یافتہ یا بے تعلیم ہونے پر نہیں لیکن الفت دلی اور خلوص قلبی کا اظہار اور ان اصول کو ترقی دینا جو سچے اُنس اور محبت کے سرچشمے ہیں جیسا تعلیم یافتہ بی بی سے ہو سکتا ہے وہ ناخواندہ سے نہیں ہو سکتا۔

ہم لوگوں میں پردہ کے تشدد نے مستورات کی تحریرات کو بھی پردہ میں بٹھا دیا ہے افسوس ہمیں اپنے دوستوں سے کوئی خط ایسا نہ ملا جو کسی تعلیم یافتہ اہلیہ نے اپنے شوہر کی یاد میں لکھا ہو لاچار ایک غیر قوم کی تعلیم یافتہ عورت کا ایک خط ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ یہ ایک عورت کے خط کا اُردو ترجمہ ہے جو اپنے شوہر کے فراق میں ایسی بے تاب ہو گئی تھی کہ اُس نے اس بیچارگی میں اپنے وقت کے مشہور اہلِ دل حکیم کی طرف رجوع کی اور اپنا حال لکھ کر اپنے درد کا علاج چاہا۔

خط

جناب من۔ آپ نے اپنی تحریرات میں محبت کی سخت مصیبتوں کی کیفیت بیان کی ہے لیکن مجھے یاد نہیں کبھی آپ نے کوئی ایسی تدبیر بھی لکھی ہے جس پر عمل کرنے سے وداع احباب کی تکلیف میں صبر آجائے اور اپنے عزیز رفیق سے بچھڑتے وقت دل کم حوصلہ سنبھل جاوے۔ اس وقت یہ دلفگار اسی رنج و محن میں گرفتار ہے۔ میرا عزیز شوہر چند سال کے لئے خدمت ملکی پر مامور ہو کر گیا ہے۔

اُس کے ساتھ رہنے کی محبت اور اُس کے درد انگیز وداعی کلمات نے مجھ میں کچھ تاب وتواں نہیں
چھوڑی رات دن کا کوئی لحظہ ایسا نہیں گذرتا جب میں اُس کے تصور میں محو نہ پائی جاؤں۔ جس شے
پر میری نظر پڑتی ہے اُسی کی یاد دلاتی ہے۔ میں بہ نسبت معمول کے اُس کی اولاد اور اُس کے
مال و اسباب کی اب زیادہ خبر گیری کرتی ہوں اور ان شغلوں میں دل بہلاتی ہوں مگر یہ شغل بجائے
تسلی دینے کے اور زیادہ بے چین کرتے ہیں اور اُس کو یاد دلاتے ہیں۔ میں بار بار اُن کمروں میں جاتی
ہوں جہاں بیٹھکر اُس سے باتیں کیا کرتی تھی۔ لیکن جب اُس کو نہیں پاتی تو اُس کی کرسی پر بیٹھکر بے
اختیار روتی ہوں۔ میں اُن کتابوں کو پڑھتی ہوں جن کو وہ شوق سے پڑھا کرتا تھا۔ اور اُن لوگوں سے
باتیں کرتی ہوں جن کی وہ قدر کیا کرتا تھا۔ دن میں سو سو مرتبہ اُس کی تصویر کو دیکھتی ہوں اور گھنٹوں
اُس کی تصویر کے روبرو تصویر بنی بیٹھی رہتی ہوں۔ کبھی میں اُن روشوں پر ٹہلتی ہوں جہاں اُس
کے بازو سے لگ کر ٹہلا کرتی تھی اور اُن گفتگوؤں کو یاد کرتی ہوں جو ہم آپس میں کیا کرتے تھے۔
اُن میدانوں اور چیزوں کو دیکھتی رہتی ہوں جو کبھی ہم دونوں دیکھا کرتے تھے۔ اور اُن اشیاء پر نظر
جمائے رکھتی ہوں جن کو وہ دکھلاتا تھا۔ اور وہ ہزاروں باتیں دل میں گذرتی ہیں جو اُس نے اُن
چیزوں کی نسبت اُن موقعوں پر بتائی تھیں۔ لوگ شرقی ہوا سے ڈرتے ہیں کہ اُس سے سردی زیادہ
ہوتی ہے مگر میرے لئے وہ باد صبا ہے جو میرے رفیق کی خبر لاتی ہے کیونکہ جس روز وہ ہوا چلتی ہے
اُس روز غالباً اُس کا خط آتا ہے۔ جناب من آپ سے اس عاجز کی یہ التماس ہے کہ اس حالت
میں کوئی ایسی تدبیر بتلائیے کہ کسی طرح اس دلِ غمدیدہ کو اس فراق میں کچھ تسکین ہو۔ فقط

جن شریف خاندانوں کے نوجوان کالجوں اور اسکولوں میں تعلیم پاتے ہیں۔ علمی مجالس سے

اُنس رکھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ لایق اشخاص کی تقریریں سُننا اور اُن کی صحبت کا لطف اُٹھانا پسند
کرتے ہیں اور خالی اوقات میں مفید کتابوں اور اخباروں کا پڑھنا اور لکھنا اُن کا شغل ہے کیا
اگر اُن کو اپنی ماؤں اور بہنوں کی صحبت میں بھی اپنے علمی مذاق کی گفتگو کرنے اور سُننے کا موقع
ملے تو کیا یہ خوش صحبتی اُن کی خوشی کو دوبالا نہ کریگی۔ ہم نے مانا کہ لڑکیاں تعلیم پاکر ایسی لایق
نہیں بن جاوینگی کہ اُن کے بھائی یا اُن کے دوسرے عزیز و اقارب لڑکے اُن کی ہمکلامی سے
کوئی فایدہ علمی حاصل کرسکیں۔ ایک انٹرنس یا بی اے پاس کردہ طالبعلم اپنی بہن سے جس
نے مرات العروس اور مجالس النساء اور اسی قسم کے اور چند رسایل اُردو یا فارسی میں گلستاں
بوستاں بھی پڑھی ہوئی ہو کیا علمی گفتگو سُننے اور مذاق علمی پورا کرنے کی توقع رکھ سکتا ہے۔ مگر
یہ ایک غلطی ہے جو سمجھتے ہیں کہ تعلیم یافتہ اشخاص کی صحبت صرف استفادۂ علمی کی غرض سے پسند
کی جاتی ہے۔ نہیں اس کی پسندیدگی کی وجہ وہ مجانست ہے جو دو پڑھے ہوئے آدمیوں میں بالطبع
ہوتی ہے۔ دو آدمی گو درجہ علمیت میں نہایت فرق بعید رکھتے ہوں مگر وہ فرق اُس فرق سے
بہت کم ہے جو عالم اور جاہل محض میں ہوتا ہے +

ایک یونیورسٹی کا سند یافتہ ریل میں سوار ہوتا ہے اور اپنے درجہ میں تین چار اور شخصوں
کو پاتا ہے جن میں تین بے علم مہاجن ہیں اور ایک مڈل کلاس کا طالبعلم۔ کون شک کرسکتا ہے
کہ یہ نیا مسافر سب سے اول اُس طالبعلم سے ہی گفتگو کریگا اور اپنا گھنٹہ دو گھنٹہ کا سفر اُسی گفتگو
کے ذریعہ سے جس سے درحقیقت اُس کو ایک حرف کا فایدہ علمی نہیں ہے خوش کرکر گذاریگا +
ہم نے کسی شخص کے روبرو ایک شعر پڑھا۔ وہ نہایت محظوظ ہوا اور دوبارہ پڑھنے کی

فرمایش کی۔ بتلاؤ ہمیں کیا فایدہ علمی اُس سے حاصل ہو اگر اُس کی صحبت سے خوشی حاصل ہونے میں کچھ شک نہیں۔ بہت کم تعلیم یافتہ خوش مذاق نوجوان ایسے نکلیں گے جو برابر تین چار گھنٹہ تک جاہل آدمیوں کی لغو گفتگو سُننے کا تحمل رکھتے ہوں۔ وہ بہت جلد اُس گفتگو سے اُکتا جائینگے اور اُس صحبت سے مخلصی حاصل کرنا چاہینگے۔ یہ تکلیف جب شوہر کو زوجہ کی طرف سے ملتی ہو تو بے حد دردناک ہوتی ہے۔ کیونکہ زوجہ کی معیت لحظہ دو لحظہ کی نہیں ہوتی بلکہ عمر بھر کی۔ اس لئے بجز اُن لوگوں کے جو شادی کا اصول یہ بیان کرتے ہیں کہ روٹی ٹکڑے کا آرام ہو جائے اور کوئی شخص ایسی بی بی کی صحبت کو سوائے اوقات ضرورت کے گوارا نہیں کرتا۔ ہم نے بہت سے بدچلن لوگوں سے اُن کی بدچلنی و بدوضعی کا آغاز پوچھنے پر معلوم کیا کہ اُنھوں نے کسی کسبی کی صحبت صرف اس وجہ سے اختیار کی کہ اُس کا کلام نہایت مودب اور نہایت شُستہ تھا اور اپنے کلام کو وہ شعر و سخن سے زینت دیتی تھی ؁

پس اگر عورتوں میں ہم مذاقِ علمی پیدا کریں تو گو وہ کیسے ہی ادنیٰ درجہ کا ہو تب بھی وہ ان کو اُس سطح پر لاکر جس پر اعلیٰ درجہ کے تعلیم یافتہ اشخاص ہیں مردوں کی خوشی اور مسرت کا عمدہ ذریعہ بناویگا اور تعلیم یافتہ نوجوان اپنے خالی اوقات کو صرف کرنے کے لئے بجائے اس کے کہ دوستوں یا اور غیر لوگوں کے مکانات کی مجالس دل لگی ڈھونڈتے پھریں یا آوارگی اختیار کریں اپنی لکھی پڑھی بیبیوں کو سب سے اچھا ذریعہ اپنے دل بہلانے اور اپنی اور اپنے سب عزیزوں کی خوشی بڑھانے کا پاوینگے۔ جب ہمارا خیال غرض تعلیم نسواں کی نسبت معلوم ہو گیا تو ظاہر ہے کہ ہم ایسے علوم کی تعلیم کے موید ہونگے جن سے معمولی نوشت و خواند کے علاوہ

عام طور پر ہر قسم کے مضامین پر آگاہی حاصل ہو اور اگر کسی مجلس میں کوئی علمی تذکرہ ہو تو لڑکیوں کی جہالت موجب تکدر خاطر اہل مجلس نہ ہو۔ اس غرض کے حصول کے لئے سوائے معمولی اردو فارسی کی کتابوں کے لڑکیوں کو علم طبیعات اور جغرافیہ طبعی اور کیمسٹری اور ہیئت کے موٹے موٹے مسایل سلیس اردو زبان میں سکھانے چاہئیں۔ اس قسم کے اکثر مسایل بنات النعش میں بیان کئے گئے ہیں۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ کسی قدر اور تفصیل سے اُن کو تین علیحدہ علیحدہ رسالوں میں بیان کیا جائے۔ اور وہ ابتدائی رسالے علم طبعی۔ جغرافیہ طبعی۔ علم ہیئت کے کہلائیں٭

جو مظاہرِ قدرت ہر وقت ہمارے گرد و پیش رہتے ہیں اُن کی نسبت گفتگو کا چھڑ جانا ایک معمولی بات ہے بارش ہوتے وقت اُس کے اسباب پر گفتگو ہونی۔ بادلوں کو دیکھ کر اُن کے سیاہ۔ سفید ارغوانی رنگ کی نسبت بات چیت ہونی۔ چاند کو بدر ہلال دیکھ کر اُس کی وجہ کا سوال پیدا ہونا۔ گاہے گاہے بھونچال آنے یا گرہن ہونے کے وقت ان کے اسباب پر مختصر بحث ہونی دنیا کے عام مضامین ہیں جو اکثر گھروں کی مجالس میں مذکور کئے جاتے ہیں۔ تعلیم یافتہ اشخاص کے گھروں میں اکثر تھرمامیٹر یا بیرومیٹر ہوتے ہیں۔ گھڑیاں ہوتی ہیں یا بجلی کی کلیں ہوتی ہیں جن کی مختصر کیفیت لڑکیوں کے لئے باعث آگاہی اور اُن کی آگاہی مردوں کے لئے باعث تفریح خاطر ہو سکتی ہے٭

عورتوں کے طریقۂ تعلیم کا مسئلہ نہایت اہم مسئلہ ہے اور جب تک قوم اس کو اپنے ہاتھ میں نہ لیگی گورنمنٹ کی خیرات سے گذارہ ہونا اور ہماری ضرورتیں پوری ہونی ناممکن ہیں۔ عورتوں کی تعلیم فرداً فرداً کوشش کرنے اور اپنا اپنا جدا طریقہ تعلیم وضع کرنے سے ہرگز نہ ہوگی

اس کے لئے دو امر کی ضرورت ہے۔ اوّل کتب درسیہ کا کافی ذخیرہ جمع کرنا دوم طریق تعلیم تجویز کرنا۔

جو کتابیں اس وقت لڑکیوں کی تعلیم کے لئے موجود ہیں یا کام میں آتی ہیں وہ بہت ہی ناکافی ہیں۔ اور اُن کے ناکافی ہونے کی وجہ سے جو اور کتابیں جو اس کام کے لئے موضوع نہیں ہیں کام میں آتی ہیں وہ نہایت مضر اور تعلیم نسواں کو بدنام کرنے والی ہیں۔ اگر وہ کتابیں لڑکیوں کے پڑھنے میں نہ آتیں تو لوگ تعلیم سے اس قدر خایف نہ ہوتے۔ آج سے تیس برس پہلے لڑکیوں کو جن کتابوں میں تعلیم دی جایا کرتی تھی جہاں تک ہم کو معلوم ہے وہ یہ تھیں نثر میں راہ نجات۔ بعد حمد۔ صبح کا ستارہ۔ مفتاح الجنۃ۔ قیامت نامہ۔ ہزاری مسئلہ۔ تحفۃ الزوجین۔ خیر النجات۔ مولود شریف۔ دہ مخزن۔ تقریر الشہادتین۔ ترجمہ مشکوۃ۔ نظم میں کنز المصلی۔ رسالہ بے نمازاں۔ وفات نامہ۔ نصیحت نامہ۔ بست رسایل مشتملبر معراج نامہ۔ لوری نامہ۔ قصہ دائی حلیمہ۔ قصہ بلال۔ نور نامہ وغیرہ قصہ شاہ روم۔ قصہ شاہ یمن۔ قصہ اہل بیت۔ دیوان لطف۔ تفسیر سورہ یوسف۔ مثنوی گلزار نسیم۔

مگر یہ کتابیں نہ کسی کمیٹی نے لڑکیوں کے واسطے منتخب کی تھیں۔ نہ ان کتابوں کو اُن کے مصنّفوں نے لڑکیوں کی تعلیم کے واسطے تصنیف کیا تھا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ اُس زمانہ میں اُردو زبان کا علم ادب انہیں کتابوں پر مشتمل تھا۔ مگر ایسا بھی نہ تھا کہ اُردو میں بالکل اور کچھ نہ تھا۔ اور جب اس اُردو علم کا دروازہ لڑکیوں پر کھُل جاتا تھا تو اسی راستہ سے گل بکاؤلی اور بدر منیر اور چہار درویش بھی گھُس آتی تھیں خود چہار درویش جس نے حضرت نظام الدین

اولیا اور خسرو کے بابرکت ناموں سے بزرگی حاصل کر لی ہے +

چہار درویش سادہ بے تکلف اُردو کا عمدہ ترین نمونہ ہے۔ اس کی زبان کی سلاست اور سادگی اور فارسی عربی کی آمیزش سے خالی ہونا حقیقت میں بے حد تعریف کے قابل ہے مگر اس کے بعض قصے اس قدر فحش ہیں کہ لڑکیاں تو کیا لڑکوں کے پڑھنے کے بھی قابل نہیں +

اس زمانہ کا لٹریچر بہت وسیع ہو گیا ہے۔ مگر جس طرح اچھی کتابوں کی تعداد بڑھ گئی ہے اُسی طرح بُری کتابوں کی۔ سب سے زیادہ انبار اُردو میں ناولوں کا ہے جو عموماً نہایت ناپاک اور خلاف تہذیب اور فحش اور نجس خیالات اور عبارات سے پُر اور لبریز ہیں۔ ناپاک ناول لکھنا یا ناپاک ناولوں کا ترجمہ کرنا ایک قسم کی کتابی قرمساقی ہے اُن مصنفوں کو جو ایسا کام کر رہے ہیں خدا نے چار پیسہ کے لالچ سے اندھا کر دیا ہے اور نہایت افسوس ہے کہ اُن کو بچوں کی شہوانی قوتوں کی خدمت کے سوا اور کوئی کام اپنے معاش کے حاصل کرنے کا پسند نہیں آیا۔

ناولوں میں جو چند ناول عمدہ بھی ہیں تو اُن میں بھی ایک نقص ہے وہ یہ ہے کہ اُن کے موضوع متمول خاندان ہیں۔ کیونکہ ایسے خاندان میں ہی اسباب عیش وعشرت اور سامان راحت اس قدر ہوتے ہیں جو قابل قصہ ہونے کے ہوں۔ پس غریب خاندان کی لڑکیاں جب آسودگی اور سلیقہ کا نمونہ اس تمول اور آسودہ حالی کو پاتی ہیں تو اپنی حالت سے سخت بیزار ہو جاتی ہیں اور ان کی زندگی بے لطف ہو جاتی ہے۔ قناعت کی خوشی دل سے جاتی رہتی ہے۔ بلکہ یہ عیب ہمارے مولانا مولوی نذیر احمد صاحب کی کتابوں میں بھی ہے کہ انہوں نے آسودہ حال متمول گھر کا قصہ لکھا ہے جس سے لڑکیوں میں اس قدر بلند نظری پیدا ہو جاتی

ہے جو اُن کی حالت خاندان کے مناسب حال نہیں ہوتی۔ ہر لڑکی یہ ہی چاہتی ہے کہ میرا گھر اصغری کے گھر کی طرح اُجلا ہو جو نا ممکن ہے۔ ہر لڑکی چاہتی ہے کہ میرا شوہر تحصیلدار یا ڈپٹی ہو۔ اس سے کم درجہ کا شوہر اُس کی نظروں میں وقعت نہیں رکھتا۔

ہم نے نہایت چھان بین سے پایا ہے کہ جن لڑکیوں نے ناولوں کا کثرت سے مطالعہ کیا ہے اُن کی اخلاقی قوتوں میں بھی تصنع بہت ہو گیا ہے۔ اگر اُن کا ادب ہے تو بناوٹی۔ اگر تابعداری ہے تو بناوٹی۔ اگر حیا ہے تو بناوٹی جس کی بنیاد صرف زبان کی سب سے اوپر کی جھلّی پر ہے۔ اور مزاج کی ذرا سی جنبش ان سب چیزوں میں تلاطم عظیم ڈال دیتی ہے۔ وہ مضبوط استحکام جو اصلی تعلیم سے پیدا ہوتا ہے وہ سچی دینداری جو نیک صحبت سے پیدا ہوتی ہے جسے کوئی مصیبت۔ عزیزوں کی کوئی بدسلوکی جنبش نہیں دے سکتی جو عورتوں کا عنصر لطیف تھا اس نئی پود میں نہیں ہے۔

تحریریں ناول خواں لڑکیوں کی بے شک عمدہ ہوتی ہیں مگر محض بے مغز۔ سراسر پوست اور خالص مبالغہ بلا اصلیت۔ جب غم بیان کرینگی تو ہمارے دوست شرر کے کسی مصیبت زدہ ہیرو کے سب الفاظ اپنے اوپر صادق کرلینگی۔ خون جگر ہے کہ لہو بن بن کر اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں بہ رہا ہے۔ دل چاک اور سینہ داغ داغ ہے۔ غم کی خاک سے اُن کا خمیر ہے۔ اُن کا دل میدان رستخیز ہے جس میں ہزاروں حسرتیں مرتی ہیں اور ہزاروں جوش اٹھتے ہیں۔ آہ وزاری میں اُن کا دن اور اختر شماری میں اُن کی راتیں کٹتی ہیں۔ غرض کوئی بات اُن کی اصلیت کی نہیں۔ قسمیں اُن کی جھوٹی۔ اقرار اُن کے بودے۔ بزرگوں کا ادب

شوہر کی عزت صرف تب ہی تک ہے جب تک اُن کی رائیں اپنی رائے کے مطابق ہوں۔ ذرا اختلاف کرو پھر ناول خوانی کے جوہر دیکھ لو۔ ناول خوانی نے لڑکیوں میں جو خباثتیں پیدا کی ہیں اُن کے ذمہ وار اس قدر ناولوں کے مصنف نہیں ہیں۔ جس قدر لڑکیوں کے باپ اور بھائی ہیں۔ ملک میں گندگی اور سنڈاسیں ہوا کریں۔ لیکن جو اُن کو اپنے دیوان خانوں میں لاتے اور منگواتے ہیں وہ ہیں موجد اور بانی اُس تمام اخلاقی تعفن کے جو ناول پڑھنے سے پیدا ہوتا ہے۔

ہم نے ارادہ کیا ہے کہ یکم جون ۱۸۹۵ء سے انشاء اللہ ایک اخبار لڑکیوں کے لئے پاکیزہ مضامین کا شایع کریں جس میں اُن کی تعلیم اور کتب تعلیم اور طریق تعلیم اور سلیقہ خانہ داری وغیرہ مضامین پر بحث ہوا کرے۔ اس اخبار کی اڈیٹر میرے اپنے خاندان کی کوئی لڑکی ہوگی اور اُس اخبار میں کوئی مضمون کسی مرد کا لکھا ہوا درج نہ ہوا کریگا۔ اُس اخبار کے لئے میں اپنے خاندان کی لڑکیوں سے جیسے بُرے بھلے مضمون وہ لکھ سکینگی لکھواؤنگا۔ خلقت اُس پر ہنسا کرے اور جو چاہے کہا کرے۔ میرا ساتھ دینے والے ساتھ دینگے اور جو کوئی ساتھ نہ دیگا تو اللہ تو ضرور ساتھ دینے والا ہے وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون۔

ہمارے چند دردمند احباب نے یہ بھی تجویز کی ہے کہ ایک دفعہ کوشش کرکے اُردو زبان کے سب ناولوں کو پڑھ لیا جائے اور اُن میں سے جو اچھّی اور پڑھنے کے قابل کتابیں ہوں وہ چھانٹ لی جائیں۔ ہمارے دوستوں نے یوں ٹھیرایا ہے کہ اُن کتابوں کو باہم تقسیم کرلیا جائے اور ایک ایک دوست چند چند ناول پڑھ کر اُس کی نسبت اپنی رپورٹ پیش کرے۔ اس طرح پر چند روز کی محنت سے کچھ کتابیں اچھّی علیحدہ ہو جائینگی اور ہم اُن کی نسبت اخبار مجوزہ میں اشتہار

دینگے کہ اگر کوئی شخص اپنے بچوں کو ناول پڑھانا چاہتا ہے تو اُن کتب منتخبہ میں سے ہی کوئی ناول پڑھائے۔ آجکل اچھے بُرے ناول کا کوئی معیار نہیں ہے۔ اور اس طوفان بے تمیزی میں جو مصنف درحقیقت کوئی اچھی کتاب لکھتا بھی ہے تو اُس کی بالکل قدر نہیں ہوتی۔ بہت سے لوگ اچھی کتابوں کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور اچھے اچھے ناموں کے دھوکے میں وہ بعض کتابیں منگاتے ہیں اور آخر اپنے کام کی نہ پاکر ردی میں ڈال دیتے ہیں۔ وہ ہی کتابیں کبھی کبھی گرتی پڑتی بچوں کے ہاتھ میں جا پہنچتی ہیں اور گھر کو ناپاک کرتی ہیں ہمیں امید ہے کہ اگر ہمارا اخبار مجوزہ جاری ہو جائے تو کتابوں کی نسبت کبھی ایسا دھوکا کسی ماں باپ کو نہ ہوگا۔

ذخیرۂ کتب ضروری پیدا کرنے کے لئے ہمارے احباب کی کمیٹی بہت جلد اپنا کام شروع کرنے والی ہے اور عمدہ کتابیں تصنیف کرانے والی ہے۔

حال کی تعلیم میں ایک اور سخت قابل اعتراض یہ امر ہے کہ چونکہ لڑکوں میں کافی طور پر تعلیم نہیں پھیلی اس واسطے یہ بات یقینی نہیں ہوتی کہ ہر تعلیم یافتہ لڑکی کے لئے ایسا شوہر مل سکیگا یا نہیں جو اُس کی تعلیم کا قدردان ہو۔ اگر اُس لڑکی کو بدنصیبی سے ایسا شوہر مل جائے جو تعلیم نسواں کو پسند کرنے والا ہی نہیں یا پورا قدردان نہیں تو لڑکی سخت بلا میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ اس باب میں ایک دفعہ ہمیں آنریبل سر سید احمد خاں نے جو خط لکھا تھا اُس کو ہم یہاں درج کرتے ہیں۔

خط

مجبی و مشفقی مولوی ممتاز علی صاحب۔ آپ کا ایک لمبا پرپوٹ خط کئی دن سے میرے سامنے رکھا ہوا ہے۔ میں اُس کے جواب لکھنے کی فرصت ڈھونڈ رہا تھا۔ اس وقت اُس کا جواب لکھتا ہوں۔ میری

نہایت دلی آرزو ہے کہ عورات کو بھی نہایت عمدہ اور اعلیٰ درجہ کی تعلیم دی جاوے۔ مگر موجودہ حالت میں کنواری عورتوں کو تعلیم دینا اُن پر سخت ظلم کرنا اور اُن کی تمام زندگی کو رنج و مصیبت میں مبتلا کردینا ہے۔ کنواری لڑکیاں تمام عمر بے شادی کے بلحاظ حالات ملک کے رہ نہیں سکتیں۔ اور نہ اُن کی زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ پس ضرور اُن کی شادی کرنی ہوگی۔ ہماری قوم کے لڑکوں کی جو ابتر و خراب حالت ہے اور بدعادتیں اور بد افعال اُن کے ہیں اور بد اخلاق اور بدطریقہ اُن کا اپنی جوروں کے ساتھ ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔ اس وقت تمام اشراف خاندانوں میں ایک لڑکا بھی نیک چلن اور خوش اخلاق مہذب و تعلیم یافتہ نہیں نکلنے کا۔ جو اپنی جورو کو ایک انیس غمگسار سمجھے۔ کل خاندانوں کے لڑکوں کا یہ حال ہے۔ جوروں کو لونڈیوں سے بدتر سمجھتے ہیں اور کوئی بد اخلاقی ایسی نہیں جو جوروں کے ساتھ نہیں برتتے۔ اب خیال کرو بے تربیت لڑکی پر یہ مصیبت صرف ایک حصہ ہے۔ اُس کو خود خیالات عمدہ و تہذیب کے نہیں ہیں اس لئے اُن کو اپنے خاوند کی بد اخلاقی صرف بقدر ایک حصہ کے رنج و مصیبت میں رکھتی ہے اور جبکہ وہ اپنے تمام ہمسروں کا یہی حال دیکھتی ہے تو کسی قدر تسلی پاتی ہے اور اُس کے ماں باپ جب اُس کی حمایت کرتے ہیں تو اس کے دل کو زیادہ تشفی ہوتی ہے مگر جب وہ خود شایستہ و مہذب و تربیت یافتہ اور عالی خیال ہو تو یہ تمام معلومات اُس کی روح کو بہت زیادہ رنج دیتے ہیں اور اُس کو زندگی بلائے جان ہو جاویگی۔ عورات کی تعلیم قبل مہذب ہونے مردوں کے نہایت ناموزوں اور عورتوں کے لئے آفت بے درماں ہے۔ یہی باعث ہے کہ میں نے آج تک عورات کی تعلیم میں کچھ نہیں کیا۔ شایستہ و تربیت یافتہ مرد کو نا تربیت جوان عورت ملنے سے اُس کا کچھ نقصان نہیں ہے۔ وہ اپنی تہذیب کے سبب اپنی جورو سے محبت کرتا ہے اور اُس کو

مہذب و شایستہ بنا لیتا ہے۔ مگر عورت ایسا نہیں کر سکتی۔ اس وقت دو ایک مثالیں۔ خاندان میں
ایسی موجود ہیں کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو ایسا پڑھا لکھا لیا ہے اور تعلیم کر لیا ہے کہ بلا شبہ وہ عورتیں
انہیں غمگسار ہونے کے لایق ہو گئی ہیں۔ پس بالفعل عورتوں کو ایسا رکھنا چاہئے کہ اگر اُن کے شوہر مہذب
ہوں تو اُن کو مہذب کر سکیں اور اگر نامہذب ہوں تو اُن کی بیویاں بھی ویسی ہی ہوں۔ فقط

اس مرض کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ بچپن سے لڑکوں کی بھی جو رشتہ کے لئے منتخب
ہونے کے قابل ہوں تلاش رکھی جائے اور اُن کی تربیت اپنی نگرانی میں کرائی جائے۔ اور
رشتہ داری کا دایرہ اپنے خاندان پر ہی محدود نہ کیا جائے بلکہ اُس کو وسیع کیا جائے۔ اور لڑکوں
کی تعلیم میں اور زیادہ کوشش کی جائے کہ بجز اس کے اور کوئی علاج ان خرابیوں کا نہیں ہے۔

مدارس زنانہ کے لئے ایک مجلس شوریٰ کا ہونا ضرور ہے جو زنانہ مدارس کے قیام کے
طریق پر غور کرے۔ اُس مجلس کی رائے کچھ ہی ہو مگر ہماری رائے میں زنانہ مدارس کا مدارس
گورنمنٹ کی طرح قایم ہونا مناسب و مفید نہ ہوگا ضرور ہے کہ جو مدرسہ قایم ہو وہ کسی شریف و معزز
گھر کے ایک حصہ میں ہو۔ اور یہ ایسا گھر ہو جس کی شرافت نیک چلنی اور نیک نیتی میں کسی کو کلام
نہ ہو۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے ہندوستان کے شہر خدانخواستہ اُن شہروں کی طرح نہیں ہو گئے
جن میں حضرت ابراہیم کو ایک نیک شخص بھی نظر نہ آیا تھا اور وہ بجز اس کے کہ آگ سے برباد
کئے جاویں اور کسی قابل نہ رہے تھے۔

ہماری رائے یہ بھی ہے کہ محض فلاح و بہبودی قوم کی نظر سے خیراتی کام کرنے والے
بہت کم ہیں اور جو کام اس امید پر کئے جاتے ہیں وہ ادھورے رہتے ہیں۔ پس ضرور ہے

کہ پڑھانے والی اوستانی کو خواہ وہ اُس شریف خاندان کی سرپرست ہو خواہ اُس خاندان کی نگرانی میں ہو معقول معاوضہ اس خدمت قومی کا دیا جائے جو اُن کی عزت و شان کے شایاں ہو۔ بعض مجالس اسلامیہ نے جو چند مجہول النسب لاوارث عورتوں کو کرایہ کے مکانوں میں اوستانی بنا کر بٹھایا ہے ہم اُن کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اُن کے مکان اور اُن کی تعلیم اور اُن کی صحبت کو ایسا نہیں سمجھتے کہ اُس پر ذرا بھی اعتماد کیا جاوے اور شرفاء کی بچّیاں اُن کے سپرد کی جاویں۔ ہماری رائے میں جب تک شرفاء کی بہو بیٹیاں جن کی صحبت عام لوگوں کی لڑکیوں کو میسر آنی مشکل ہے اوستانی کا کام خود نہ کرینگی یہ تعلیم مفید ثابت نہ ہوگی۔

زنانہ مدارس کی باقی جزئیات پر اس جگہ بحث کرنا بے موقع ہے ان کی تفصیل اُس وقت تک ملتوی ہونی چاہیئے جبکہ کوئی مجلس عملی طور پر کام شروع کرے۔

الحجاب

عورتوں کے متعلق جتنے امور کی نسبت بحث کی جاتی ہے اُن سب میں پردہ کی بحث نہایت اہم ہے کیا بلحاظ نتائج اور کیا بلحاظ اس امر کے کہ اُس میں تبدیل و ترمیم کرنا سخت مشکل امر ہے پردہ حقیقت میں انسان کے لئے خواہ مرد ہو خواہ عورت فطری شے ہے۔ انسان کی فطرت میں اور خصوصاً عورات کی فطرت میں وہ اخلاقی اصول پایا جاتا ہے جو انسانی جماعت کے تہذیب یافتہ تمدن میں تربیت و تکمیل پاکر پردہ کہلاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان محض برہنہ پیدا ہوا ہے مگر وہ اپنے آپ میں ایک محرک پاتا ہے جو نہ صرف گرمی و سردی رفع کرنے کے لئے بدن کو چھپانے کی ترغیب دیتا ہے بلکہ بلا لحاظ گرمی و سردی کے بعض اجزاء بدن کے چھپانے

کی خواہش پیدا کرتا ہے۔ اصول تہذیب انسانی جن کو شریعت نے تکمیل کو پہنچایا ہے اپنی ابتدائی فطرت میں اس دھندلی سی حالت سے زیادہ وجود نہیں رکھتے اور اس امر کے ثبوت کے لئے کہ فلاں حکم شرعی مطابق اصول فطرت ہے یہ ہی امر ضرور ہوتا ہے کہ انسان کی طبیعت میں اس اصول کا جس کی بنیاد پر وہ حکم شرعی قایم ہوا دھندلا سا نشان بتا دیں۔ ورنہ فطرت انسانی میں ان اصول کی تعیین وتخصیص وتصریح ملنی ناممکن ہے۔

ہر انسان میں کسی قدر شرم وحیاء منجملہ دیگر اصول اخلاقی کے پائی جاتی ہے اور عورات میں خصوصًا اس اصول کی فطرتًا زیادہ تکمیل پائی جاتی ہے۔ یہ ہی اصول وہ بیج ہے جو شریعت کی آبیاری سے پھول پھل کر پردہ کی تعیین وتخصیص کی خوبصورت شکل حاصل کرتا ہے۔ پس جو لوگ پردہ کو خلاف فطرت اور انسانی ایجاد تصور کرتے اور جن شریعتوں نے اس کی تکمیل کی ان کو خلاف فطرت سمجھکر جھوٹی بتلاتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ البتہ یہ دیکھنا ہے کہ پردہ نے جو زمانہ حال میں ہندوستان کے مسلمانوں اور بعض دیگر ممالک کے مسلمانوں میں صورت اختیار کی ہے اور جس کی بعض ناواجب قیود اہل یورپ یا ہر صاحب انصاف کی نظر میں باعث تذلیل فرقہ اناث سمجھی جاتی ہیں اس کا جواب وہ مذہب اسلام ہے یا کوئی اور۔ مذہب اسلام صرف اس قدر پردہ کا جواب دہ ہے جس کو اس نے اصول فطرت انسانی کی بناء پر مکمل کیا اور جو خود فطرت انسانی کے خالق کی مرضی ہے۔ مگر جس طرح مذہب اسلام کی اصلی تعلیم اکثر صورتوں میں بدل گئی یا لوگوں نے اس پر عمل کرنا ترک کر دیا اسی طرح احکام پردہ کے باب میں حال ہوا۔

کیسے تعجب کی بات ہے کہ کوئی لفظ قرآنی یا اصطلاح فقہی ایسی نہیں جسکو سن کر ان تمام خیالات

کا مجموعہ فوراً ہمارے دل میں آجاوے جو لفظ پردہ کے سُننے سے آتا ہے۔ لفظ پردہ نشین سے جو خیال چار دیواری مکان میں شب و روز دمِ موت تک محصور رہنے اور کسی ضرورت کے لئے بھی باہر نہ نکلنے اور بجز ماں باپ بھائی اور شوہر اور چند اور رشتہ داروں کے سب سے اپنی آواز اور قد اور لباس وغیرہ کو عمر بھر چھپانے کا دل میں یک لخت گذر جاتا ہے وہ حجاب یا نقاب یا ستر یا جلباب یا خمار سے ہرگز نہیں گذرتا۔ گویا شریعتِ محمدی ہندوستان کے سے پردہ سے بالکل ناآشنا ہے۔

مردوں کی فضیلت کے باب میں ہم نے جو کچھ بیان کیا چونکہ وہ نسبت عمل کے زیادہ تر خیال اور رائے کا معاملہ ہے اس واسطے بجز اُن دلایل کے جو قرآن مجید سے مستنبط ہوتی ہیں دیگر دلایل شرعی سے ہم نے کچھ تعرض نہیں کیا۔ مگر پردہ کا سوال مہمات رسوم ہندوستان سے ہے اور اس رسم نے اب حکم شرعی کا رتبہ حاصل کر لیا ہے اس لئے ضرور ہے کہ ہم قرآن مجید اور حدیث اور فقہ تینوں سے اس مسئلہ پر بحث کریں۔

قرآن مجید کی صرف تین آیتیں ہیں جو پردہ کے متعلق سمجھی جا سکتی ہیں۔ پہلی آیت سورہ نور کی ہے جس میں فرمایا ہے کہ ایمانداروں کو کہہ دے کہ وہ اپنی آنکھیں ذرا نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہ کو محفوظ رکھیں کہ اس میں اُن کے لئے پاکیزگی ہے۔ اللہ کو اُن کے ہر ایک کام کی خبر ہے ایماندار عورتوں کو بھی کہہ دے کہ وہ بھی اپنی آنکھیں

قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم ذلك ازكى لهم ان الله خبير بما يصنعون ۔ وقل للمؤمنات يغضضن من ابصارهن ويحفظن فروجهن ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها وليضربن بخمرهن على جيوبهن ولا يبدين زينتهن

الا لبعولتھن او آباءھن × × × او التابعین غیر اولی الاربۃ من الرجال او الطفل الذین لم یظھروا علی عورات النساء ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن ۔ النور	ذرا نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھیں اور سوائے اُس زینت کے جو کُھلی نظر آتی ہو اپنی اور کوئی زینت نہ دکھاویں اور اپنے گریبانوں پر اپنے دوپٹے ڈالے رکھیں اور اپنی زینت کسی پر نہ کھولیں ۔ مگر ہاں اپنے شوہر یا اپنے باپ ++

یا ایسے مردوں پر جو کمیرے ہیں اور اَور کچھ غرض نہیں رکھتے یا اُن لڑکوں پر جو عورتوں کے بھید نہیں پہچانتے اور عورتوں کو اپنے پاؤں زور سے مار کر نہیں چلنا چاہئے تاکہ اُن کا چھپا سنگار معلوم ہو۔

پہلی آیت میں مردوں کو ہدایت فرمائی ہے کہ وہ اپنی نظر ذرا نیچی رکھیں اور پاکبازی اختیار کریں ۔ دوسری آیت میں اُنہیں الفاظ میں وہ ہی حُکم اُسی قدر نظر نیچی رکھنے اور پاکبازی کا عورتوں کو دیا گیا ہے ۔ یہاں تک تو جس قدر حُکم شرم وحیاء و پاکبازی کا عورتوں کو دیا گیا ہے اُتنا ہی مردوں کو دیا گیا ہے ۔ کوئی خاص پردہ عورتوں کے واسطے تجویز نہیں کیا گیا ۔ لیکن چونکہ عورتوں میں شرم وحیاء مردوں کی نسبت زیادہ ہے اس لئے اُسی زیادتی کے موجب اُس شرم و حیاء کو عمل میں بھی لانے کا حُکم دیا گیا اور وہ یہ ہے کہ عورتوں کی حرکات ایسی نہیں ہونی چاہئیں کہ اُن کی زینت یا آرایش جو دوسرے آدمی کو بظاہر نظر نہیں آتی اُن حرکات سے اُس پوشیدہ زینت کی نمایش ہو ۔ عرب کی عورتیں اپنے گریبان کُھلے رکھتی تھیں اور چاک گریبان سے سینہ نظر آتا رہتا تھا جو موجب سخت بیحیائی کا تھا ۔ اس بے حیائی کو روکنے کے لئے گریبانوں پر

دوپٹہ ڈالنے یعنے اُن کو چھپانے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس قسم کی نمایش صرف شوہر یا باپ یا دیگر محرم رشتہ دار یا نوکر چاکر یا کم عمر بچوں کے روبرو جایز ہے۔ اس حکم میں جو بالتخصیص عورتوں کے لئے ہے دو امور قابل غور ہیں اول یہ کہ شوہر و دیگر محارم کے سوا اور کسی کو پوشیدہ حُسن یا زیب و زینت کھول کر دکھانی ممنوع ہے۔ البتہ جس قدر خود بخود ظاہر نظر آتی ہو اُس کا نظر آنا ہر شخص کے روبرو جایز ہے۔ دوم یہ کہ گھروں میں چونکہ اس قسم کا تکلف درستی لباس کا ہر وقت قایم نہیں رہ سکتا جیسا باہر نکلنے میں کیا جاتا ہے اس لئے نوکر چاکروں کے روبرو بھی یہ تکلف کی سخت پابندی معاف ہے*

دوسری آیت سورہ احزاب کی ہے جس میں عورتوں کو فرمایا کہ تم اپنے گھروں میں ٹھیرو

وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولیٰ ۔ الاحزاب

اور جس طرح ایام جاہلیت میں دکھاتے پھرنے کا دستور تھا اُس طرح مت دکھاتی پھرو۔ اس آیت میں صرف زمانۂ جاہلیت کی بے حیائی و بے شرمی کو کہ عورتیں سنگار کر کے اکھاڑوں میں جاتیں اور بے حیائی کے اشعار پڑھتیں منع فرمایا ہے اور صاف ظاہر ہے کہ گھر میں ٹھہرنے کا جو ذکر ہے وہ اُس آوارہ گردی زمانہ جاہلیت کے مقابلہ میں ہے اُس کا یہ منشاء ہرگز نہیں کہ جائز ضرورتوں کے لئے بھی گھر سے نکلنا ممنوع ہے بے شک شریف حیادار عورتوں کو ایسے ناپاک میلوں میں ہرگز نہیں جانا چاہیے بلکہ اپنے گھر ٹھیرنا چاہیئے۔ اس آیت میں صرف ایام جاہلیت کی آوارگی کو روکا گیا پردہ سے آیت کا بالکل تعلق نہیں ہے۔ اس آیت سے یہ نہیں نکلتا ہے کہ ایام جاہلیت کی سی نمایش کے بغیر اور نہایت شریفانہ طور پر ضرورتاً عورات کا باہر نکلنا ممنوع ہے

نہ یہ نکلتا ہے کہ غیر محارم رشتہ داروں کا گھروں میں آنا اور عورات کا اُن کے روبرو ہونا ممنوع ہے اور ان دونوں امور کا جواز سورہ نور کی آیت مذکورہ بالا سے ثابت ہے۔ بڑا قطعی ثبوت اس امر کا کہ اس آیت کو پردہ سے کچھ تعلق نہیں ہے یہ ہے کہ رسول خدا کے اخیر عہد تک ازواج مطہرات اپنے حوائج اور نماز اور عیدین کے لئے برابر باہر پھرا کرتی تھیں۔ اگر گھر میں ٹھیرنے کا حکم دینے سے ہر دم اور ہر آن گھر میں ٹھیرنا ضروری ہوتا اور حوائج ضروری کے لئے باہر جانا جایز نہ ہوتا تو ازواج مطہرات باہر کیوں نکلا کرتیں۔ حضرت عایشہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے سودہ بنت زمعہ کو باہر پھرتے دیکھ لیا تھا اور اس طرح پھرنے پر اعتراض کیا وہ جناب رسول خدا کے پاس واپس آئیں اور حال عرض کیا۔ آپ اُس وقت حضرت عایشہ کے حجرہ میں کھانا کھا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ نے اجازت دی ہے کہ تم اپنے ضروری کاروبار کے لئے باہر نکلا کرو۔

اذن اللہ لکن ان تخرجن لحوائجکن

علیٰ ہذا القیاس آنحضرت صلعم کے حضرت عایشہ کو حبشی بازیگروں کے تماشا دکھلانے کا قصہ مشہور ہے اور کتب حدیث میں درج ہے گو اُس کی نسبت امام نووی نے یہ لکھا ہے کہ اُس وقت حضرت عایشہ صغیر سن تھیں اور بلوغت کو نہ پہنچی تھیں اور نہ تب تک پردہ کا حکم نازل ہوا تھا۔ مگر یقیناً امام صاحب کا یہ خیال صحیح نہیں ہے یہ واقعہ مدینہ میں وفد حبشہ کے پہنچنے کے بعد کا ہے۔ اور وفد حبشہ کے پہنچنے کا زمانہ ارباب سیر نے ۷ سنہ ہجری لکھا ہے۔ مگر ۷ سنہ ہجری میں حضرت عایشہ کی عمر سولہ سال سے متجاوز تھی اور اُس وقت آیت حجاب نازل ہو چکی تھی۔

یہاں یہ بات بھی بیان کرنی ضرور ہے کہ یہ آیت عورات عام اہل اسلام پر قابل اطلاق نہیں

ہے بلکہ اس آیت میں خطاب خاص ازواج رسول خدا صلعم کی طرف ہے جیساکہ اس سے پہلی آیت سے ظاہر ہے چنانچہ ہم دونوں آیتوں کو یہاں لکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی کی عورتو۔

یانساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولاً معروفاً ۝ وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیہ الاولیٰ ۝ الاحزاب	تم ہر عام عورت کی طرح نہیں ہو۔ اگر تم پرہیزگار ہو تو اس طرح دب کر بات مت کہو کہ جس شخص کے دل میں کھوٹ ہو اُسے لالچ پیدا ہو۔ تم معقول بات کہو۔ اور اپنے گھروں میں ٹھیرو اور جاہلیۃ کے دکھانے پھرنے کا دستور ترک کرو۔
یاایھا النبی قل لازواجك وبنتك ونساء المؤمنین یدنین علیھن من جلابیبھن ذلك ادنیٰ ان یعرفن فلا یوذین ۝ الاحزاب	تیسری آیت بھی سورۂ احزاب کی ہے جہاں فرمایا ہے کہ اے نبی اپنی بیبیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو کہدے کہ وہ چادریں اوڑھ

کر نیچے تک لٹکالیں۔ اس سے وہ غالباً پہچانی جائینگی اور پھر ان کو کوئی ایذا نہ دیگا۔ سورہ احزاب مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ زمانہ نزول سورہ احزاب میں مدینہ میں اسلام کا پورا تسلط نہ ہوا تھا اور مسلمان باشندوں کی آزادی بجز یہودیوں اور منافقوں کے قول وقرار کے جسے وہ ہر وقت توڑ سکتے تھے اور کسی قانون کی حفاظت میں نہ تھی۔ اس وجہ سے مسلمانوں کو کفار سے طرح طرح کی ایذائیں پہنچتی رہتی تھیں۔ چنانچہ ایک تکلیف یہ بھی تھی کہ بدمعاش لوگ مسلمانوں کی عورتوں کو مدینہ میں چھیڑتے اور ٹوکتے اور دق کرتے رہتے تھے۔ منافقین جو ظاہر میں اپنے تئیں مسلمانوں کا دوست ظاہر کرتے تھے مسلمانوں کی عورتوں کو دق کرنے کے بعد یہ عذر کر دیتے تھے کہ ہم نے پہچانا نہیں تھا کہ یہ تمہاری

عورتیں ہیں۔ لاچار مسلمان عورتوں نے شرما کر نکلنا چھوڑ دیا اور یہ سخت باعث تکلیف و حرج کا ہوا۔ اس پر خدا تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ اپنی چادریں کسی قدر نیچے تک لٹکا کر آئیں جائیں اور وہ اس شریفانہ وضع سے جس کا عام طور پر سب کو حکم دے دیا گیا بآسانی شناخت ہو جایا کرینگی کہ یہ خاتونان اہل اسلام ہیں اور پھر منافق ستانے سے باز رہینگے۔ پس اس آیت کو بھی غیر محارم کے روبرو ہونے کے جواز یا عدم جواز سے تعلق نہیں۔ بلکہ منافق جو عدم شناخت کے بہانہ سے مسلمانوں کی عورتوں کو ستاتے تھے اُن کی ایذاء سے بچنے کے لئے ایک خاص شریفانہ وضع سے جو سب کے لئے بطور علامت ہو نکلنے کے لئے حکم دیا گیا ہے۔ بجائے اس کے کہ اس آیت سے ہندوستان کے سے پردہ کی تائید ہو حالت ایذاء یابی میں بھی بلا نقاب وغیرہ جس کا اس آیت میں کہیں اشارہ تک نہیں صرف چادر کو اس طرح اوڑھ کر کہ وہ کسی قدر لٹکی رہے بلا شرط اس امر کے کہ اُس سے چہرہ چھپ جائے باہر نکلنے کی اجازت دی گئی ہے +

جو آیتیں اوپر مذکور ہوئیں ان کے سوا اور کوئی آیت قرآن مجید میں پردہ کے متعلق نہیں ہے۔ پس قرآن مجید اگر جواب دہ ہے تو صرف اس قدر پردہ کا ہے جو ان آیتوں میں بیان ہوا اور جو سراسر مطابق عقل و فطرت انسانی ہے۔ قرآن مجید اُن خرابیوں کا جواب دہ نہیں ہو سکتا جن کا موجب وہ پردہ ہے جس کا اشارہ تک کلام الٰہی میں نہیں ملتا اور جس کے موجد صرف مسلمانانِ ہندوستان ہیں +

قبل اس کے کہ ہم قرآن مجید کی بحث ختم کریں ایک اور آیت کا بھی ذکر کرنا مناسب ہے جس کو ممکن ہے کہ لوگ غلطی سے پردہ کے متعلق سمجھیں۔ ہماری مراد سورہ احزاب کی اُس آیت سے ہے جہاں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جب تم کو اُن (عورتوں) سے کوئی چیز مانگنی ہو تو پردہ کے پیچھے

واذا سألتموهن متاعاً فسئلوهن من وراء حجاب ذٰلکم اطہر لقلوبکم وقلوبهن	سے مانگو۔ کہ یہ امر تمہارے لئے اور ان عورتوں کے لئے دل کی پاکیزگی کا موجب ہے۔ یہ آیت

اول تو ازواج مطہرات پیغمبر خدا سے متعلق ہے جن کی نسبت خدا تعالیٰ نے عام عورات سے علیحدہ کچھ احکام دئے تھے چنانچہ اگلی پچھلی آیات کے پڑھنے سے بخوبی ثابت ہے۔ اس کے علاوہ یہ آیت تعلق رکھتی ہے اس حکم سے جس کے رو سے بلا اجازت پیغمبر خدا کے گھر میں جانے کی ممانعت کی گئی ہے اسی مضمون کا حکم جملہ اہل اسلام کی نسبت سورۂ نور میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے

یا ایها الذین آمنوا لا تدخلوا بیوتاً غیر بیوتکم حتی تستأنسوا وتسلموا علی اهلها ذالکم خیر لکم لعلکم تذکرون۔ فان لم تجدوا فیها احداً فلا تدخلوها حتی یؤذن لکم وان قیل ارجعوا فارجعوا هو ازکی لکم	کہ اے ایماندار لوگو اپنے گھروں کے سوا اور گھروں میں داخل نہ ہوتا وقتیکہ اجازت نہ لے لو اور گھر والوں کو سلام نہ کر لو۔ یہ تمہارے لئے اچھا ہے شاید تم نصیحت حاصل کرو۔ اگر تم گھر پر کسی کو نہ پاؤ تو جب تک تم کو اجازت نہ ملے ان میں داخل مت

ہو۔ اور اگر تم کو واپس چلے جانے کو کہا جاوے تو تم واپس چلے جاؤ۔ کہ یہ تمہارے لئے پسندیدہ ہے۔ سب آدمی مرد ہوں یا عورت اپنے مکان پر جب کوئی غیر شخص موجود نہ ہو بے تکلفی سے رہتا ہے اور اس طور کی پابندی لباس کی ملحوظ نہیں رکھتا جس قدر غیروں کے روبرو کرنی پڑتی ہے۔ ایسی صورت میں غیر آدمی کا یک لخت بلا اطلاع چلا آنا اور صاحب خانہ کو ملاقات کے لئے تیار ہونے کی مہلت نہ دینا ہمیشہ خلاف تہذیب اور موجب حرج اور بعض اوقات مخل پردہ شرعی ہوتا ہے۔ اس واسطے اس طرح بلا اجازت ایک دوسرے کے گھر میں جانے کی ممانعت کی گئی

ہے ۔

اسی طرح کا حکم پیغمبر خدا صلعم کے گھر میں داخل نہ ہونے کے باب میں سورہ احزاب کی آیت مذکورہ صدر میں دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ فرمایا گیا کہ اگر کوئی چیز گھر میں سے منگانی مطلوب ہو تو پردہ کے پیچھے سے منگالو۔ یعنے جب گھر میں ملاقات کی نظر سے جانا منظور ہی نہیں بلکہ صرف کوئی چیز لینی ہے تو تمام گھر والوں کو اطلاع دینا کہ وہ سب ملاقات کے لئے بلحاظ درستی لباس وغیرہ تیار ہوجائیں کچھ ضرور نہیں ہے اور ذرا ذرا سی چیز کے لئے گھر والوں کو گھڑی گھڑی اس طرح تکلیف دینا کیا حاصل۔ بہتر ہے کہ گھر کی عورتیں جس حال میں ہیں اسی میں رہیں تم پردہ کے پیچھے سے جو چیز مانگنی ہے مانگ لو۔ عموماً ہر شخص کو یہ امر پیش آتا ہے کہ گرمی کی شدت کے وقت یا کسی کام میں حد سے زیادہ مصروفیت کی وجہ سے گھر میں عورتوں کو یہ خیال نہیں رہتا کہ ان کے سر پر ٹھیک طور پر دوپٹہ ہے یا نہیں۔ یا بوجہ علالت یا کسی اور باعث سے وہ ایسی آزادگی کے ساتھ اپنے گھر میں لیٹی ہوئی ہیں کہ غیر کے روبرو وہ آزادگی جایز نہیں ہوسکتی ایسی صورتوں میں اگر مردانہ مکان میں چند آدمی جمع ہوں جن کے لئے کبھی پان کے واسطے اور کبھی پانی کے واسطے اور کبھی حقہ یا کسی اور شے کے واسطے کسی مرد کو اندر آنے کی ضرورت پڑے تو اب کس قدر وقت ہے اگر ہر دفعہ وہ شخص اندر آنے کی اجازت طلب کرے اور ہر بار گھر کی سب عورتیں مودبانہ قرینہ سے بیٹھیں۔ اس سے بہتر ہے کہ وہ پردہ کے باہر سے جو کچھ مانگنا ہو مانگ لے ۔

یہاں تک جو کچھ ہم نے لکھا وہ اُس تفسیر کی بناء پر تھا جو ہم خود الفاظ قرآن مجید کے سمجھتے

ہیں۔ اب یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ہمارے علماء فقہ جن کا خاص کام قرآن مجید سے احکام کا استنباط کرنا ہے اس باب میں کیا لکھتے ہیں۔ فتاوی عالمگیری میں پردہ کی بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھا ہے اور اس کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول مرد کا مرد کو دیکھنا۔ دوم عورت کا عورت کو دیکھنا۔ سوم عورت کا مرد کو دیکھنا۔ چہارم مرد کا عورت کو دیکھنا۔ پہلی تین صورتوں میں لکھا ہے کہ جس قدر حصہ بدن مابین ناف و زانو کے ہے اُس کا دیکھنا ناجایز ہے۔ اور صورت چہارم کے پھر چار اقسام کئے ہیں اول مرد کا اپنی بی بی و لونڈی کو دیکھنا۔ ثانی مرد کا اپنی ذوات محارم کو دیکھنا ثالث مرد کا اجنبی آزاد عورت کو دیکھنا۔ رابع مرد کا غیر کی لونڈیوں کو دیکھنا۔ ہم صورت اول و رابع کو بیان کرنا غیر ضروری سمجھتے ہیں۔ صورت ثانی یعنے ذوات محارم کے دیکھنے کی نسبت فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ ذوات محارم (مثلاً ماں بہن وغیرہ) کی

اما نظرہ الی ذوات محارمہ فنقول یباح لہ ان ینظر منہا الی موضع زینتہا الظاہرۃ والباطنۃ وھی الراس والشعر والعنق والصدر والاذن والعضد والساعد والکف والساق والرجل والوجہ	ظاہری اور باطنی زینت کے مقام کو دیکھنا جایز ہے اور وہ یہ ہیں۔ سر۔ بال۔ گردن۔ سینہ۔ کان بازو۔ پہونچا۔ ہتیلی۔ پنڈلی۔ پاؤں۔ چہرہ +
اما النظر الی الاجنبیات فنقول یجوز النظر الی مواضع الزینۃ الظاہرۃ	صورت ثالث کی نسبت فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ اجنبی عورتوں کی طرف نظر کرنے کے باب میں ہماری یہ رائے ہے کہ اُن کی زینت ظاہری کے مقامات یعنے چہرہ اور ہتیلی کی طرف نظر کرنا جایز ہے۔ (ذخیرہ میں اسی طرح لکھا ہے)

منھن وذالك الوجه والكف فی ظاهر الروایة کذا فی الذخیرة وروی الحسن عن ابی حنیفة رضہ یجوز النظر الی قدمها ایضًا وفی روایة اخری عنه قال لایجوز النظر الی قدمها وفی جامع البرامکة عن ابی یوسف رضہ انه یجوز النظر الی ذراعیها ایضًا عند الغسل والطبخ	اور حسن نے ابو حنیفہ رضہ سے روایت کی ہے کہ اجنبی عورتوں کے پانوں کی طرف نظر کرنا بھی جایز ہے اور انہیں سے ایک اور روایت میں یوں ہے کہ اُن کے قدموں کی طرف نظر کرنا جایز نہیں اور جامع البرامکہ میں ابو یوسف سے مروی ہے کہ اجنبی عورتوں کی باہنوں کی طرف بھی جو کسی چیز کے دھونے یا پکانے میں کھلی ہوں نظر کرنا جایز ہے ٭
لاباس للرجل ان ینظر من امه و ابنته البالغة واخته وکل ذات محرم منها الی شعرها وصدرها وراسها وثدیها وعضدها وساقها ولاینظر الی ظهرها وبطنها ولا الی ما بین سرتها الی ان تجاوز الرکبة	پھر فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ الکافرة کالمسلمة۔ یعنے کافر عورت اور مسلمان عورت کا یکساں حکم ہے۔ فتاوی قاضی خاں میں ذوات محارم کی طرف نظر کرنے کے باب میں یہ لکھا ہے کہ کچھ مضایقہ نہیں کہ آدمی اپنی ماں اور بالغ بیٹی اور بہن اور ہر ذی محرم کے
مالا یکره النظر الیها لاباس بان یمسها بلا حایل بلا شهوة الا الاجنبیة فانه لاباس بالنظر الی وجهها ویکره المس۔	بال۔ چھاتی۔ سر۔ پستان۔ بازو۔ پنڈلی کی طرف نظر کرے۔ مگر اُس کی پشت اور شکم اور مابین ناف وزانو نظر نہ کرے ٭

لا یجوز ان ینظر الرجل الی الاجنبیة
الا الی وجهها وکفیها لقوله تعالیٰ لا
یبدین زینتهن الا ما ظهر منها۔
قال علی و ابن عباس رضی الله عنهما
ما ظهر منها الکحل والخاتم والمراد
موضعهما وهو الوجه والکف کما ان المراد
بالزینة المذکورة مواضعها ولان فی
ابداء الوجه والکف ضرورة لحاجتها
الی المعاملة مع الرجال اخذا او
اعطاءً او غیر ذلک وهذا تنصیص
علی انه لا یباح النظر الی قدمها
وعن ابی حنیفة انه یباح لان فیه
بعض الضرورة وعن ابی یوسف
انه یباح النظر الی ذراعیها ایضا
لانه قد یبدو منها عادة فان کان
لا یامن الشهوة لا ینظر الی
وجهها الا لحاجة

پھر آگے چل کر اُسی فتاویٰ میں لکھا ہے کہ
جس جس عورت کی طرف نظر کرنا بُرا نہیں اُس کے
جسم کو بلا کپڑے مس کرنے میں بھی کچھ مضایقہ نہیں
بشرطیکہ مس کرنے میں خواہش بد نہ ہو مگر یہ حکم اجنبی
عورات سے متعلق نہیں کیونکہ اُن کے چہرے کو
دیکھنا تو جایز ہے مگر چھونا مکروہ ہے ٭

ہدایہ میں اس مسئلہ کو یوں لکھا ہے کہ جایز
نہیں کہ مرد اجنبی عورت کا بدن سوائے چہرہ اور
ہتیلی کے دیکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ
عورتیں اپنی زینت بجز اس قدر کے جو کُھلی رہتی
ہے نہ دکھلاویں۔ علی اور ابن عباس رضی اللہ
عنہما نے کہا ہے کُھلی زینت سرمہ اور انگشتری ہیں
اور اُن سے مراد اُن کی جگہ ہے یعنے چہرہ اور
ہتیلی جسطرح زینت سے مراد زینت کی جگہ ہے
اور اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ چہرہ اور ہاتھ کے کھولنے
کی ضرورت رہتی ہے کیونکہ مردوں کے ہمراہ دینے
لینے وغیرہ معاملات کی حاجت پڑتی ہے۔ اس لئے

الظاهر ان المقصود من نقل قول
علی وابن عباس ههنا انما هو الاستدلال
علی جواز ان ینظر الرجل الی وجه الاجنبیة
وکفها بقولهما فی تفسیر قوله تعالی الا ما
ظهر منها فان فی تفسیره اقوالا من
الصحابة لا یدل علی المدعی ههنا شئ منها
سوی قولهما لکن دلالة قولهما علی ذلك
غیر واضح ایضا اذ الظاهر ان موضع
الکحل هو العین لا الوجه کله وکذا موضع
الخاتم هو الاصبع لا الکف کله والمدعی
جواز النظر الی وجه الاجنبیة کله والی
کفیها بالکلیة

۱- ان امراة عرضت نفسها علی رسول
الله صلی الله علیه وسلم فنظر
الی وجهها ولم یر فیها رغبته

۲- ان اسماء بنت ابی بکر دخلت الی
رسول الله صلی الله علیه وسلم

یہ نص ہے اس بات پر کہ اجنبی عورت کے پاؤں
کا دیکھنا جایز نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رہ
سے روایت ہے کہ پانوں کا دیکھنا بھی جایز ہے
کیونکہ اس میں بھی کچھ نہ کچھ ضرورت ہے اور امام
ابویوسف رہ کا یہ قول ہے کہ اجنبی عورت کی
باہوں کا دیکھنا بھی جایز ہے کیونکہ عادۃً وہ بھی
کھلی رہتی ہیں۔ لیکن اگر مرد شہوت سے مامون
نہ ہو تو ضرورت کے سوا اجنبی عورت کے چہرہ کو
بھی نہ دیکھے۔

صاحب فتح القدیر نے ہدایہ کی اس
استدلال پر جو قول علی و ابن عباس رضی اللہ
عنہما سے کیا گیا ہے سخت نکتہ چینی کی ہے چنانچہ
لکھا ہے کہ ظاہر ہے کہ اس مقام پر علی اور ابن
عباس کا قول نقل کرنے سے یہ مقصود ہے کہ
قولہ تعالی الا ما ظہر منہا کی تفسیر میں جو ان کا قول
ہے اس کے ذریعہ سے اس امر کا استدلال کیا جائے
کہ مرد کو اجنبی عورت کا چہرہ اور ہاتھ دیکھنا جایز ہے

وعلیها ثیاب رقاق فاعرض عنها
رسول اللہ صلعم قال یا اسماء ان المراۃ
اذا بلغت المحیض لم یصلح ان یریٰ
منها الا هذا وهذا واشار الی وجهه وکفیه

۳- ان فاطمة رضی اللہ عنها لما ناولت
احد ابنیها بلالا او انسا قال رایت کفها
فلقة قمر ای قطعته فدل علی
انه لا باس بالنظر الی وجه المراۃ
وکفها-

عن سهل بن سعد قال جاءت امراۃ
الی رسول اللہ صلعم فقالت یا رسول اللہ
جئت لاهب لك نفسی فنظر الیها
رسول اللہ فصعد النظر و
صوبه- بخاری

عن ابی هریرة قال خطب رجل
الی امراۃ فقال النبی صلعم انظر الیها
فان فی اعین الانصار شیئا

کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں صحابہ کے متعدد اقوال
ہیں مگر علی اور ابن عباس کے قول کے سوا
اور کسی قول سے وہ مطلب حاصل نہیں ہوتا جس کا
ثابت کرنا یہاں مطلوب ہے۔ لیکن ان کا قول بھی
استدلال مطلوبہ کے لئے غیر واضح ہے کیونکہ ظاہر ہے
کہ سرمہ کی جگہ آنکھ ہے نہ کہ کل چہرہ اور اسی طرح
انگشتری کی جگہ انگلیاں ہیں نہ کہ کل ہاتھ۔ اور جو امر
ثابت کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اجنبی عورت کے کل چہرہ
اور کل ہتھیلی کی طرف نظر کرنا جائز ہے۔ لیکن صاحب
فتح القدیر کا اس نکتہ چینی کرنے سے یہ منشا نہیں
کہ اجنبی عورت کے کل چہرہ اور ہتھیلی کا دیکھنا ناجائز
ثابت کیا جائے بلکہ صرف یہ ہے کہ اس باب میں
علی اور ابن عباس کے قول سے استدلال
کرنا خوب نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے خود آگے
چل کر تین احادیث سے استدلال کرکے اجنبی
عورت کے کل چہرہ اور ہتھیلی کے دیکھنے کا جواز
ثابت کیا ہے۔ پہلی حدیث میں جو انہوں نے لکھی

مسلم و نسائی ۔

عن المغیرہ بن شعبہ قال خطبت الی امراۃ فقال لی رسول اللہ صلعم ھل نظرت الیھا ۔ قلت لا ۔ قال فانظر فانہ احری ان یودم بینکما (نسائی ۔ ترمذی)

عن جابر بن عبد اللہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احدکم المراۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحھا فلیفعل فخطبت جاریۃ فکنت اتخبأ لھا حتی رایت منھا مادعانی الی نکاحھا وتزویجھا ۔

ظاہر الاحادیث انہ یجوز النظر الیھا سواء کان ذلک باذنھا ام لا (نیل الاوطار) ۔

قد وقع الخلاف فی الموضع الذی یجوز النظر الیھا من المخطوبہ ۔ فذھب الاکثر الی انہ یجوز النظر الی الوجہ

ہے بیان کیا گیا ہے کہ ایک عورت نے اپنے تئیں رسول اللہ صلعم پر پیش کیا ۔ پس آپ نے اس کے چہرہ پر نظر کی اور اُس کی طرف اپنی رغبت نہ پائی ۔

۲ ۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ اسماء بنت ابوبکر باریک کپڑے پہنے ہوئے تھی رسول اللہ صلعم کے پاس آئی رسول اللہ صلعم نے اپنا مُنہ اُس کی طرف سے پھیر لیا اور کہا کہ اے اسماء جب لڑکی بالغ ہو جائے تو مناسب نہیں کہ اُس کا بدن سوائے اس کے اور اس کے (مُنہ اور ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے) نظر آوے ۔

۳ ۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنا کوئی سا بیٹا بلال یا انس کو دیتیں تو بلال یا انس کہا کرتے تھے کہ ہمیں حضرت فاطمہ کا ہاتھ چاند کا ٹکڑا سا معلوم ہوا کرتا تھا ۔ پس ثابت ہوا کہ عورت کے مُنہ اور ہاتھ کی طرف نظر کرنے میں کچھ مضایقہ نہیں ہے ۔

یہ روایات تو عام طور پر مُنہ اور ہاتھ کے کھلے رہنے کے جواز میں ہیں ۔ ان کے علاوہ وہ روایات

والکفین۔ وقال داود یجوز النظر الی جمیع البدن

(نیل الاوطار)

ہیں جن سے نکاح کے ارادہ سے عورت کو دیکھنا نہ صرف جایز بلکہ مستحب ثابت ہوتا ہے ایسی روایات کثرت سے ہیں۔ ہم اس جگہ صرف تین چار احادیث کا ذکر کرتے ہیں۔

آنحضرت صلعم کے پاس ایک عورت آئی اور کہا کہ یا رسول اللہ میں اس لئے آئی ہوں کہ اپنے تئیں آپ کے سپرد کروں۔ آپ نے اس کو خوب دیکھا بھالا۔ بخاری

ایک شخص نے کسی عورت سے خواستگاری کی آنحضرت نے فرمایا کہ اس کو پہلے دیکھ لے کیونکہ انصار مدینہ کی آنکھوں میں کچھ عارضہ ہوتا ہے۔ مسلم و نسائی

مغیرہ بن شعبہ نے کسی عورت سے خواستگاری کی آپ نے فرمایا کہ اس کو دیکھ بھی لیا ہے اس نے کہا نہیں۔ کہا پہلے دیکھ لے تاکہ تم میں الفت زیادہ ہو۔ نسائی و ترمذی

جابر کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ جب تم کسی عورت سے خواستگاری کرو تو حتی الامکان جس وصف کے طالب ہو اس کو دیکھ لو۔ چنانچہ میں نے جب ایک عورت سے خواستگاری کی تو اس کو دیکھا کرتا تھا یہاں تک کہ میں نے اس میں وہ وصف پالیا جو مجھے مطلوب تھا۔

ظاہر احادیث سے یہ نکلتا ہے کہ عورت کو دیکھنا جایز ہے۔ خواہ اس دیکھنے کا علم عورت کو ہو یا نہ ہو۔ نیل الاوطار

اس امر میں اختلاف ہے کہ جس عورت سے خواستگاری کرنی ہو اس کے جسم کا کس قدر حصہ دیکھنا جایز ہے۔ زیادہ تر میلان رائے کا اس طرف ہے کہ صرف منہ اور دونوں ہاتھ دیکھنے

جائز ہیں۔ مگر داؤد نے کہا ہے کہ اُس کے تمام جسم کا دیکھنا جائز ہے۔ نیل الاوطار

جس قدر آیات قرآنی اور روایات فقہی اور احادیث اوپر مذکور ہوئیں اُن سے

احکام ذیل حاصل ہوئے عورات اجنبیہ کا پردہ جو متفقاً از روے شریعت ثابت ہے وہ یہ ہے کہ

ا۔ چہرہ اور ہاتھ کے سوا تمام جسم چھپایا جائے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پاؤں کا پردہ

ضرور نہیں۔ اور امام ابویوسف کے نزدیک جن کی راے پر تمام حنفی لوگ فتویٰ دیتے ہیں

عورات اجنبیہ کی باہیں بھی پردہ میں داخل نہیں ؛

۲۔ اگر کوئی شخص مغلوب الشہوت ہو تو وہ عورات اجنبیہ پر نظر نہ کرے ؛

۳۔ اس باب میں عورات اہل اسلام و کفار کا یکساں حکم ہے ؛

۴۔ نکاح کی غرض سے مرد کا عورت کو دیکھنا نہ دیکھنے کی نسبت جناب پیغمبر علیہ السلام کے

ارشاد کے موافق زیادہ پسندیدہ ہے۔

پہلے حکم کے رو سے ہندوستان کی عورات اہل اسلام کا وہ لباس بالکل خلاف شرع ٹھیرتا

ہے جس کا دستور دہلی اور لکھنؤ کی شریف زادیوں میں ہو رہا ہے کہ اُس میں کُرتی اس قدر اونچی

ہوتی ہے کہ پاجامہ کے نیفہ اور کرتی کے کنارہ کے درمیان نہایت بے حیائی سے شکم نظر آتا رہتا

ہے۔ اور جن کی آستینیں اتنی چھوٹی ہوتی ہیں کہ امام ابویوسف کے فتوے سے بھی جس سے صرف

کہنیوں سے نیچے تک کے حصہ کے برہنہ ہونے کا جواز نکلتا ہے اس بے شرمی کی حمایت نہیں کی

جاسکتی۔ علاوہ اس بے شرمی کے جو بازوؤں اور پیٹ کی برہنگی کُھلنے سے متصور ہے سب سے

بڑی آفت جو دہلی و لکھنؤ کی عورات پر آئی ہے یہ ہے کہ وہ ایسی باریک ململ اور تن زیب اور نینگ

کا لباس پہنتی ہیں کہ اُس سے درحقیقت شکم وسینہ وپشت کا جس کا چھپانا قرآن مجید سے صریحاً ظاہر ہے تقریباً بالکل برہنہ رہتی ہیں۔ بڑے پائچوں کے پاجامے بھی گو بظاہر نہایت پردہ کی چیز ہیں مگر ایک طرح مخل ستر ہوتے ہیں یعنے بہت بڑے ہونے کی وجہ سے بغیر اس کے کہ ان کو اٹھا کر چلیں چلنا پھرنا مشکل ہے اور اُن کو اُٹھا کر چلنے سے کسی قدر حصہ پنڈلیوں کا برہنہ ہو جاتا ہے۔ دیہات میں عموماً دہلی کی سی بانکی کرتیاں تو نہیں پہنی جاتیں بلکہ اُن کی بجائے کرتے پہنے جاتے ہیں مگر اُن کے گریبان کُھلے رہتے ہیں جس میں سے کسی قدر چھاتی کا بالائی حصہ نظر آتا رہتا ہے۔ غرض ہندوستانی لباس عورات میں اُس حُکم خداوندی کی جس کے رو سے چہرہ اور ہاتھ کے سوا کُل جسم اور پوشیدہ خوبصورتی کے چھپانے کی سخت تاکید فرمائی گئی ہے ذرا بھی تعمیل نہیں ہوتی۔ اور کچھ شک نہیں کہ اس قسم کا لباس پہننا بالکل حرام ہے۔ یہ بے حیائی کا لباس پہنا کر اُن کو چار دیواری میں قید کرنا اور اُن کو ہوائے تازہ میں جو صحت کے لئے طبعًا اُن کو اُسی قدر ضرور ہے جس قدر مردوں کو برقع اوڑھ کر بھی نہ نکلنے دینا پرلے درجہ کی حماقت ہے۔ اور عورتوں پر صریح ظلم۔ ہماری دانست میں شرعی لباس پہنکر اور دوپٹہ ایسی طرح اوڑھ کر کہ سر کا کوئی حصہ برہنہ نہ رہے کُھلے چہرہ اور ہاتھوں سے ایسے اجنبی اشخاص کے روبرو جن پر اُن کے شوہروں اور والدین کو نیک چلنی کا اعتبار ہو اپنے محرم عزیزوں کی موجودگی میں بشرط ضرورت روبرو ہونا لوگوں کے خیال میں کیسا ہی معیوب ہو مگر خدا اور رسول کے احکام کے مطابق ہے اور اُس بے حیائی سے جو گھروں میں رہ کر لباس حرام کے ذریعہ سے عمل میں آتی ہے بدرجہا بے عیب اور بے گناہ ہے۔ اس عملدرآمد پر اگر کوئی شرعًا اعتراض ہو سکتا ہے تو شاید صرف یہ ہو کہ لوگ اجنبی عورات کو اس طرح باہر نکلتا دیکھ کر نظر بد سے تاکا کرینگے۔

مگر اس کا جو علاج ممکن تھا وہ شرع نے خود بتلا دیا۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں اگر گناہگار ہونگے تو خود بد نظر لوگ ہونگے نہ کہ وہ بیگناہ عورات جو اپنے حاجات ضروری کو نکلتی اور خدا کی دی ہوئی آزادی کو برتتی ہیں۔ اس کا علاج یہ ہی ہوسکتا تھا اور یہ ہی شرع نے بتایا کہ جو لوگ شہوت سے مامون نہ ہوں اور اُنہیں خوف ہو کہ ہم میں اس قدر تمیز اور انسانیت نہیں ہے کہ پرائی عورت کو دیکھیں اور اپنے قوائے شہوانی کو قابو میں رکھ سکیں تو اُن کو چاہیئے کہ اپنے تئیں عورتوں پر نظر ڈالنے سے بچائے رکھیں۔ اُن بدمعاشوں کی خاطر نصف دنیا قید نہیں کی جاسکتی۔ کل کو اگر بدنیت لوگ دوسروں کا مال دولت دیکھ کر چوری کی نیت یا طمع ظاہر کرنے لگیں تو کیا لوگوں کو منع کیا جاویگا کہ وہ خلقت پر اپنے متاع کا اظہار نہ کریں۔ یا اگر چند بھوکے بدمعاش چاہیں کہ حلوائی کی دوکان پر سے آنکھ بچا کر مٹھائی پر جھپٹا مار لیں تو کیا حلوائیوں کو اپنی دوکانیں بند کر دینی چاہئیں کیوں اُن حرامزادوں کو پولیس میں گرفتار نہ کروایا جاوے۔ معہذا یہ کیسی اُلٹی سمجھ ہے کہ یا تو اس قدر اتقاء کہ عورتوں کو باہر نکلنے سے بایں نظر منع کیا جائے کہ دوسرے لوگ اپنی بدنظری کی وجہ سے گنہگار اور اقارب عورات گناہ کی مددگار نہ ٹھیریں۔ اور یا اس قدر بیباکی کہ اہل ہنود اور انگریزوں کی بیبیوں کو خوب گھور گھور کر دیکھنے سے خود مرتکب گناہ ہوں کیا اعانت گناہ ارتکاب گناہ سے بھی بدتر چیز ہے۔ شریعت نے عورتوں کو نکلنے کی ممانعت کرنے کی بجائے یوں حکم دیا ہے کہ مرد خود اُن کے دیکھنے سے بچیں اگر اُنہیں خوف بدنظری ہو۔ پس یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ چونکہ اہل ہنود اور عیسائی اپنی بیبیوں کو نکلنے دیتے اور ہمارے روبرو آنے دیتے ہیں اس لئے ہم پر گناہ نہیں ہے۔ شریعت کا حکم ایسی صورتوں میں خود مردوں کو بچنے کے لئے ہے نہ عورتوں کو

تمھارے گناہگار ہونے کے خوف سے گھروں میں گھُسے رہنے کا۔ اگر تم اپنے تئیں مامون عن الشہوت سمجھتے ہو تو کیا وجہ ہے کہ باقی جہان کو فاسق و فاجر جانتے ہو۔ کیا یہ قابل یقین ہے کہ تم جہان بھر کی عورتوں کو پاک نظر سے دیکھتے ہو باقی اور سب جہان بد نظر ہے۔ اور اگر تم بھی باقی لوگوں کی طرح ہو تو کیوں اس گناہ سے بچنے کی کوشش نہیں کرتے ہو۔ کیا رسول خدا صلعم نے نہیں فرمایا کہ لک الاولیٰ وعلیک بالثانیہ۔ یعنے اجنبی عورت پر پہلی نگاہ جایز ہے مگر جب نظر پاک نہ رہے تو دوبارہ قصداً دیکھنے سے بچے۔ اہل اسلام نے بالکل خلاف شریعت عمل کیا ہے کہ بجائے اس کے عورتوں کو پردہ شرعی کے ساتھ نکلنے دیں اور خود اُن کو بدنظری کی نیت سے دیکھنے سے بچیں یہ کیا ہے کہ عورتوں کو تو گھروں میں سے نکلنے سے منع کر دیا۔ مگر خود عورتوں کا تاکنا بند نہیں کیا۔ اور گرجاؤں اور باغوں اور میلوں میں جا جا کر غیر اقوام کی عورات کو جو اُن کے لئے مثل اپنی ماں بہنوں کے ہیں بُری نظر سے دیکھتے ہیں کیا سنت نبوی پر چلنے کے یہ ہی معنے ہیں؟ مسلمان شیخی میں اور سچے دین کے گھمنڈ پر غیر مسلم قوموں کو جو چاہیں کہا کریں۔ ہمیں پردہ کی حقیقت اور ماہیت بتلانے اور اس کا اندازہ سمجھانے کے لئے راماین کے ایک واقعہ سے بہتر مثال نہیں ملی۔ رام چندر جی کی بیوی سیتا جی کو جب راون لیگیا تو رام چندر جی اُس کی تلاش میں نکلے اور اپنے بھائی لچھمن جی کو بھی ساتھ لیا۔ اثناء سفر میں سیتا جی کے دو زیور جن میں سے شاید ایک کرن پھول تھا اور دوسرا کوئی زیور پاؤں کا تھا راہ میں گر پڑے۔ دیانت داری کا عہد تھا کوئی راہگیر اُٹھا کر راجہ کے پاس لے آیا۔ اور راجہ نے حکم دیا کہ زیور کے مالک کو تلاش کیا جائے۔ چنانچہ جو مسافر وہاں سے گذرتے تھے اُن کو وہ زیور بغرض شناخت دکھایا جاتا تھا۔ اتفاق

ایسا ہوا کہ رامچندر جی کا گذر بھی اُس علمداری میں ہوا اور اُن کے روبرو بھی وہ زیور پیش ہوا۔ انہوں نے فوراً وہ زیور پہچان لیا۔ مگر بغرض اطمینان اپنے چھوٹے بھائی سے پوچھا کہ دیکھو یہ تمہاری بھابی کا ہی زیور ہے نا؟ لچھمن جی کا جواب سُننے کے قابل ہے؟ انہوں نے کہا کہ پانوٗ کا زیور تو بیشک اُن کا ہی ہے۔ میں اسے بخوبی پہچانتا ہوں کیونکہ میں ہمیشہ اُن کی قدمبوسی کرتا تھا۔ مگر کان کے زیور کی نسبت میں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ میں نے اُن کے چہرہ پر اس دھیان سے کبھی نظر نہیں ڈالی کہ میں اُن کا زیور شناخت کرسکوں۔ اس فقرہ سے لچھمن جی کا کیسا اعلےٰ درجہ کا اتقاء پایا جاتا ہے اور اپنے پیارے بھائی کی آبرو اور ناموس کا کس قدر لحاظ ثابت ہوتا ہے۔ بس یہ ہے پردہ۔ اور یہ ہے احصان۔ گارے اینٹ کی دیواروں یا کپڑوں کے غلافوں کے پردے اصلی پردہ نہیں ہیں÷

ہماری گذشتہ تقریروں پر چند شبہات پیدا ہونے ممکن ہیں۔ پس مناسب ہے کہ اُن کو بھی بیان کردیا جاوے اور اُن کا جواب دیا جاوے۔

شبہ اوّل۔ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی عورت کے پاس بغیر موجودگی کسی رشتہ دار محرم کے تنہا نہیں جانا چاہئے کسی نے پوچھا کہ کیوں حضرت شوہر کے بھائی کی نسبت آپ کا کیا خیال ہے آپ نے فرمایا کہ شوہر کا بھائی تو موت ہے پس اس حدیث سے جو متفق علیہ ہے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عورت کا دیور اور جیٹھ کے روبرو ہونا سخت گناہ کا کام ہے جس کو موت کے برابر قرار دیا ہے÷

جواب اولاً۔ اس حدیث سے صرف رشتہ دار محرم کی عدم موجودگی میں غیر محرم شخص کا

کسی عورت کے پاس تنہائی میں جانا منع ہوا ہے۔ لیکن جب کوئی رشتہ دار محرم موجود ہو تو اس کی موجودگی میں عورت کے لئے کسی غیر محرم کے روبرو ہونے کی ممانعت نہیں پائی جاتی ۔

ثانیاً۔ کوئی قطعی دلیل اس بات کی موجود نہیں کہ برادر شوہر کو موت کہنے سے یہ ہی مراد ہے کہ یہ امر موت کی طرح مہلک ہے بلکہ ممکن ہے کہ جناب پیغمبر خدا کی مراد یہ ہو کہ برادر شوہر کے روبرو ہونے سے کب اجتناب ہو سکتا ہے اس کا تو ضرور آمنا سامنا ہوگا جس طرح موت سے آدمی نہیں بچ سکتا اسی طرح عورت شوہر کے بھائی کے روبرو ہونے سے نہیں بچ سکتی۔ یہ معنی کچھ ہمارے گھڑے ہوئے نہیں ہیں بلکہ بڑے بڑے جلیل القدر علما کا یہ ہی مذہب ہے جیسا کہ صاحب فتح الباری نے تحریر کیا ہے اور خاص شیخ تقی الدین صاحب شرح العمدہ کا نام بھی لکھا ہے ۔

ثالثاً۔ کچھ شک نہیں کہ یہ ہی معنی صحیح ہوں کیا وجہ کہ حقیقت میں حمو عربی زبان میں صرف دیور یا جیٹھ کو نہیں کہتے بلکہ شوہر کے کل رشتہ داران ذکور کو کہتے ہیں۔ جن میں شوہر کا باپ یا دادا بھی داخل ہیں۔ حالانکہ یہ رشتہ دار محارم میں سے ہیں جن کے روبرو عورت کا آنا جائز ہے پس اگر الفاظ احادیث کے وہ ہی معنی لئے جاویں جو

فکانہ قال الحمو الموت ای لا بد منہ ولا یمکن حجبہ عنہا کما انہ لا بد من الموت واشار الی ہذا الاخیر الشیخ تقی الدین فی شرح العمدۃ

قال النووی اتفق اہل العلم باللغۃ علی ان الاحماء اقارب الزوجۃ کابیہ وعمہ واخیہ ونحوہم

عوام میں مشہور ہیں تو عورت کا ان محارم کے روبرو ہونا بھی ناجائز ٹھیر جاتا جو صریحا غلط ہے ۔ خود جناب پیغمبر خدا کا طریق عمل ہمارے لئے اس بات کا قطعی ثبوت ہے کہ اس حدیث کے

الفاظ خواہ کچھ ہی ہوں مگر اُس کے رو سے عورت کو اپنے شوہر کے بھائی کے روبرو ہونے کی ممانعت ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ جناب رسول خدا کا کوئی حقیقی بھائی نہ تھا کہ اُن کی کوئی بھاوج ہوتی لیکن اُن کے کنبہ کے حالات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ رشتہ کے بھائی رکھتے تھے چنانچہ زبیر ابن عوام آپ کے پھوپی زاد بھائی ہوتے تھے اور آپ زبیر کے ماموں زاد بھائی ہونے کی وجہ سے زبیر کی بیوی کے جیٹھ ہوتے تھے۔ زبیر کی بیوی اسماء بنت ابی بکر تھیں جو عائشہ کی بہن ہونے کے سبب بھاوج کے علاوہ آپ کی سالی بھی ہوتی تھیں۔ پس اسماء بنت ابی بکر کے دونوں رشتے یعنی بھاوج اور سالی کے ایسے رشتے تھے جو ہمارے آج کل کے شرفاء کے دستور اور رواجی شریعت کے بموجب مقتضی سخت پردہ کے ہیں۔ اب ہم کو ایسے حالات کی جستجو ہے جن سے یہ صاف ظاہر ہو جائے کہ اسماء رسول خدا کے روبرو ہوتی تھیں یا نہیں۔ بڑی محنت کے بعد ہم بخاری میں ایک حدیث پاتے ہیں جس کی روایت کرنے والی خوش قسمتی سے خود اسماء ہیں۔ وہ بیان کرتی ہیں کہ میرا نکاح زبیر سے ہوا۔ اُس کے پاس صرف ایک گھوڑا تھا اور

قالت تزوجنی الزبیر وماله فی الارض من مال ولا مملوک ولا شئ غیر ناضح وغیر فرسه فکنت اعلف فرسه وکنت انقل النوی من ارض الزبیر علی رأسی فجئت یوما والنوی علی رأسی فلقیت رسول الله صلعم

ایک اونٹ۔ اس کے سوا اور کچھ مال متاع نہ تھا۔ میں ہی اُس کے گھوڑے کو چرایا کرتی تھی۔ اور زبیر کی زمین سے کھجور کی گٹھلیاں اپنے سر پر اٹھا لاتی تھی۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں چلی آ رہی تھی اور گٹھلیوں کا بوجھ میرے سر پر تھا کہ راہ میں رسول اللہ مل گئے۔ اُن کے ہمراہ چند احباب بھی

ومعہ نفر من الانصار فدعانی ثم قال اخ اخ لیحملنی خلفہ فاستحییت ان اسیر مع الرجال وذکرت الزبیر وغیرتہ و کان اغیر الناس فعرف رسول اللہ انی قد استحییت فمضی فجئت الزبیر فقلت ماجری فقال واللہ لحملک النوی کان اشد علی من رکوبک معہ	تھے۔ انھوں نے مجھے بلایا۔ اور وہ اپنا اونٹ بٹھلانے لگے کہ میں اُن کے پیچھے سوار ہو جاؤں مگر مجھے لوگوں کے ہمراہ یوں جانے میں شرم آئی مجھے زبیر کا بھی خیال آیا کیونکہ اُس کی غیرت کی کوئی حد و انتہا نہ تھی۔ رسول اللہ نے پہچان لیا کہ مجھے یوں ہمراہ سوار ہونے میں شرم آتی ہے۔ اس لیے وہ تشریف لے گئے۔ میں زبیر کے پاس آئی اور اُس کو سارا ماجرا کہہ سنایا۔ زبیر نے کہا کہ اللہ کی قسم

تو اگر اُن کے ساتھ سوار ہو جاتی تو یہ مجھ کو اس قدر شاق نہ گذرتا جس قدر تیرا اپنے سر پر بوجھ اُٹھا کر لانا مجھے شاق گذرا ہے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اسماء جس طرح اور لوگوں کے روبرو ہوتی تھیں اسی طرح اپنے جیٹھ پیغمبر خدا کے روبرو ہوتی تھیں اُنھوں نے کوئی فرق پردہ کے باب میں اپنے جیٹھ یعنے پیغمبر خدا اور اور غیر محرموں میں نہیں رکھا تھا۔ نہ رسول خدا نے کوئی اس قسم کا فرق اُن کو بتلایا کہ تم اور غیر محرموں کے روبرو تو ہوا کرو اور ہمارے روبرو ہونا موت کی برابر خطرناک سمجھو۔ ہاں وہمی مزاجوں کے وہم سے کچھ بعید نہیں کہ وہ یہ کہیں کہ ممکن ہے کہ اُس وقت اسماء کے مُنہ پر برقع پڑا ہو اور وہ گھوڑے کو چرا کر اور بوجھ سر پر اُٹھا کر برقع اوڑھے آرہی ہوں اور پیغمبر خدا نے محض بیرونی قرائن سے اُن کو شناخت کر لیا ہو مگر ان وسوسوں کا علاج بجز لاحول پڑھنے کے

اور کچھ نہیں یا زیادہ اطمینان چاہو تو اُس حدیث کو ملاحظہ کرو جو صاحب فتح القدیر نے نقل کی ہے اور جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک مرتبہ اسماء نہایت مہین کپڑے پہن کر آپ کی خدمت میں آئیں آپ نے فرمایا کہ اے اسماء جب لڑکی بالغ ہوجائے تو اُس کو سوائے ہاتھ اور چہرہ کے اور کوئی حصہ جسم کا غیر محرم لوگوں کے سامنے نہیں کھولنا چاہیئے۔ پس کچھ شک نہیں کہ اولاً اس حدیث کے وہ معنے ہیں جو اخیر میں بیان ہوئے اور ثانیاً اس حدیث میں جو ممانعت ہے وہ عورت کے پاس صرف تنہائی میں جانے کی ہے۔ محرم رشتہ داروں کی موجودگی میں کسی عورت کے پاس جانے کی ممانعت نہیں ہے÷

شبہ دوم ۔ ام سلمہ کی حدیث سے جس کو اصحاب سنن نے بیان کیا ہے ثابت ہوتا ہے کہ جناب پیغمبر خدا نے ام سلمہ کو عبداللہ ابن مکتوم کے روبرو ہونے سے منع کیا حالانکہ وہ محض نابینا تھا اور فرمایا کہ وہ اندھا ہے تو تم تو اندھی نہیں ہو÷

جواب ۔ اگر یہ ہی بات ہے تو عورت کو مرد کے چہرہ پر نظر ڈالنی بالکل حرام ہوتی۔ لیکن جب مستورات برقع یا چادر اوڑھ کر باہر نکلتی ہیں تو اُن کی نظر اجنبی مردوں کے چہروں پر ضرور پڑتی ہے گو مرد اُن کو نہ دیکھ سکیں۔ پس وہ ہی اعتراض کہ مرد تم کو نہیں دیکھتے تو تم تو مردوں کو دیکھتی ہو یہاں بھی وارد ہوتا ہے۔ اور اگر یہ اعتراض صحیح ہوتا تو ازواج مطہرات کی نسبت کیا کہا جائیگا جو عیدین میں آتی جاتی تھیں۔ اور باہر اپنے حوائج ضروری کو نکلتی تھیں اور خانہ کعبہ کا طواف کرتی تھیں۔ کیا معاذ اللہ اُن کا یہ فعل ناجایز تھا اور رسول خدا اُس ناجایز فعل پر سکوت فرماتے تھے ہرگز نہیں۔ اسلیئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ عبداللہ ابن مکتوم نابینا تھا ممکن ہے کہ اس کے

لباس میں بلحاظ ستر عورت کوئی ایسا نقص ہو جس کی وجہ سے اُس کا ام سلمہ کے روبرو ہونا نامناسب سمجھا گیا ہو۔ چنانچہ علامہ ابن حجر نے شرح صحیح بخاری میں یہ ہی لکھا ہے کہ عبداللہ ابن مکتوم کا کوئی جزو بدن ضرور کھلا ہوگا جس کی اُس کو بوجہ نابینا ہونے کے خبر نہ ہوگی اور اجنبی لوگوں کے چہرے دیکھنے کے جواز کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ ہمیشہ عمل یہ ہی رہا ہے کہ مستورات مساجد اور بازاروں اور سفر کو جاتی تھیں اور نقاب ڈال لیتی تھیں کہ مرد نہ دیکھیں مگر مردوں کو کبھی یہ حکم نہیں ہوا کہ وہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈالا کریں کہ اُن کو مستورات دیکھنے نہ پائیں۔ اسی واسطے امام غزالی بھی اس جواز پر یہ ہی حجت لائے ہیں اور کہا ہے کہ ہم یہ نہیں کہتے کہ عورت کو اجنبی مرد کے چہرہ کا دیکھنا ناجائز ہے۔

> فلعلہ کان منہ شئ ینکشف ولا یشعر بہ ویقوی الجواز استمرار العمل علی جواز خروج النساء الی المساجد والاسواق والاسفار منتقبات لئلا یراھن الرجال ولم یومر الرجال قط بالانتقاب لئلا یراھم النساء وبھذا احتج الغزالی علی الجواز فقال لسنا نقول ان وجہ الرجل فی حقھا عورۃ۔ فتح الباری

شبہ سوم یہ ہے کہ اچھا ہم تسلیم کرتے ہیں کہ عورتوں کو گھر میں مقید رکھنے کا حکم شریعت میں نہیں ہے۔ الا اگر احتیاطاً رفع فتنہ کے لئے ایسا کیا جائے تو کیا مضایقہ ہے اور اس حالت موجودہ میں انقلاب پیدا کرنے سے کیا منفعت متصور ہے؟

جواب۔ اس کے جواب میں ہم تین امور پیش کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسا کرنے سے ہم اُس الزام کے مورد بنتے ہیں جو خدا تعالےٰ نے یہودیوں پر قرآن مجید میں عاید کیا ہے کہ جس

چیز کو ہم نے حلال کیا اُس کو وہ حرام ٹھیراتے ہیں اور جس چیز کو ہم نے حلال کیا اُس کو وہ حرام بتلاتے ہیں۔ اگر یوں ہوتا کہ عورتیں احتیاطاً بہت کم نکلا کریں اور اپنے عزیز و اقارب کے ہمراہ نکلتیں اور زیادہ تر گھروں میں رہتیں تو سمجھا جاتا کہ وہ احتیاطاً ایسا کرتی ہیں۔ یہ احتیاط نہیں کہلاتی کہ ایک حلال شے کو عملاً حرام قطعی سمجھ لیا جائے

دوسرا امر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ تم لوگوں میں جو عورتیں بدکاری کی مرتکب ہوں تو اُن پر چار گواہ لاؤ۔ پس اگر وہ گواہی دے دیں تو اُن عورتوں کو مرتے دم تک گھر میں روکے رکھو۔

والّٰتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم فاستشھدوا علیھن اربعۃ منکم فان شھدوا فامسکوھن فی البیوت حتی یتوفاھن الموت ع النساء

اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس طرح کا سخت پردہ جیسا کہ مسلمانوں میں آجکل رائج ہے خداوند تعالےٰ کے نزدیک صرف بدکار عورتوں کے لئے محض بطور سزا کے تجویز ہوا ہے۔ خداوند تعالےٰ ہر مسلمان کی بہو بیٹی کو ایسی سزا سے محفوظ رکھے۔

تیسرا جواب اس امر کا کہ حالت موجودہ میں انقلاب کرنے سے کیا فایدہ ہوگا یہ ہے کہ سیکڑوں بدیوں اور خرابیوں کا دفعیہ ہو جائیگا۔ سوچنا چاہئے کہ جب کوئی شخص اپنی کسی رشتہ دار عورت کو دوسرے شخص سے چھپاتا ہے تو وہ کیا خیال ہے جو اُس کو محرک اس پردہ خلاف شرع کا ہوتا ہے۔ ہماری دانست میں صرف دو خیال محرک اس امر کے ہوسکتے ہیں ایک تو یہ خیال کہ وہ شخص یقین کرتا ہے کہ وہ ایسی بدوضع عورت ہے کہ اگر میرے سوا کسی اور مرد کے روبرو ہوئی تو اس کی عادت سے

یہ ظن کیا جا سکتا ہے کہ اس کا نتیجہ ناپسندیدہ ہوگا۔ یا دوسرا یہ خیال اُس کے دل میں گذرتا ہے کہ فلاں شخص جو بظاہر میرا دوست یا عزیز ہے ایسا فاسق بداطوار شخص ہے کہ اگر ایک دفعہ اس کی نظر اُس عورت پر پڑ گئی تو ضرور اُس سے کوئی نہ کوئی بدوضعی سرزد ہو کر رہیگی۔ ظاہر ہے کہ جب تک ان دو خیالوں میں کوئی ایک خیال دل میں جاگزین نہ ہوگا ممکن نہیں کہ کوئی آدمی اپنے بھائیوں اور عزیز و اقربا سے اپنی زوجہ کو پردۂ خلاف شرع میں رکھے اور جب جماعت تمدنی کے ہر ایک فرد کے دل میں یہ ناپاک خیال بیٹھا ہوا ہو تو خیال کرنا چاہئے کہ اس جماعت کی اخلاقی حالت کیسی گری ہوئی ہے کہ بھائی بھائی کو دوست دوست کو ایک عزیز دوسرے عزیز کو ظاہر میں محبت اور ادب سے پیش آئیں بھائی بھائی کہ کر بلائیں اور دل میں اُن کو بدکار اور بدمعاش سمجھیں اور عملاً ہر ایک دوسرے شخص پر اس امر کا اظہار کرے کہ تم ناقابل اعتبار ہو اور ایسے چلن کے ہو کہ تمارے روبرو ہماری بہو بیٹیاں اور بہنیں نہیں ہو سکتیں۔ جب جماعت متمدنہ میں ایک دوسرے کی نسبت یہ بخس خیالات ہوں تو اُس جماعت میں سچی محبت اور اتفاق اور ہمدردی اور خلوص کب پیدا ہو سکتا ہے۔ کیا اس قسم کی بدظنیاں اُس فرمودۂ نبوی کے خلاف نہیں جس میں عموماً مومن کی نسبت بدظنی کرنے سے منع فرمایا ہے ؁

ایک اور بڑا نقصان جو جماعت تمدنی کو پردہ خلاف شرع سے پہنچتا ہے یہ ہے کہ مردوں کو جو عورات کی طرف سے متعصب ہیں تمام جہان کی نگاہ سے اوجھل چار دیواری کے اندر عورتوں پر طرح طرح کے ظلم اور بدسلوکیاں کرنے کا موقع ملتا ہے اور اس باب میں اُن پر جماعت تمدنی کا دباؤ جو تہذیب انسانی کا اصول ہے بالکل نہیں پڑ سکتا اور ہر شخص اپنے دائرہ حرم کے اندر خودمختارانہ اور جابرانہ

حکومت کرتا ہے جس کی باز پرس کے لئے صرف قیامت کا دن مقرر ہے بہت کم شرفاء اہل اسلام نکلینگے جن کا سلوک اپنے گھر کی عورات کے ساتھ اُس خوش حیثیتی کے مطابق ہو جو طبقۂ ذکور میں اُن کی تنخواہ اُن کی آمدنی اُن کے مکانات سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہم نے نہایت جلیل القدر عہدہ داروں کی نسبت سُنا ہے کہ اُن کے گھر کی عورات بہ لحاظ اپنی خوراک اور اپنی پوشاک کے اس سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتیں جو ایک چپراسی کی عورت رکھتی ہے۔ جو لوگ خود الپکہ کے چغے اور طلائی لُنگیاں اور روارنش کے بوٹ مٹکائے پھرتے ہیں اُن کی بیبیاں اور چارخانہ کے پاجامے اور تین آنہ گز کی ململ کی کُرتیاں پہنتی ہیں جو لوگ گرمیوں میں برف میں لمینڈ کی بوتلیں سرد کر کے پیتے ہیں اور پنکھوں اور خس کی ٹٹیوں میں استراحت فرماتے ہیں اُن کی عورات کے ہاتھوں میں کھجور کے پنکھے بھی ثابت نہیں ہوتے*

ہم نے پان پانسو روپیہ کی تنخواہ کے عہدہ داروں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنی ضعیف اور تقریباً نابینا بیوہ والدہ کو جس کا کوئی اور سہارا نہ تھا کھانے پینے پوشاک خدمتگار غرض جو چاہو ہر ایک چیز کے لئے کل پانچ روپیہ (صہ) ماہوار خرچ دیتے تھے۔ ایک ہمارے دوست ہیں جن کے پاس خدا کے فضل سے ستر ہزار سے زیادہ روپیہ نقد موجود ہے اور اور جائداد واملاک اس کے علاوہ۔ اُن کی والدہ نہایت عسرت سے زندگی بسر کرتی ہیں اور دس روپیہ ماہوار سے زیادہ اُن کو کسی حال میں نہیں مل سکتا*

یہ ذکر تو اُن عالی رتبہ مقتدر اشخاص کا ہے جو قوم کے سربر آوردہ لوگ ہیں۔ ان سے نیچے ایک طبقہ ہے جو ہر طرح سفید پوش اور معزز سمجھا جاتا ہے۔ اس فرقہ کے لوگوں میں ہم نے

اکثر بھلے مانسوں کو دیکھا ہے کہ جب وہ کاروبار ملازمت سرکاری سے تھک کر گھر جاتے ہیں اور مزاج کھسیانا ہوتا ہے تو اُن کو اپنی غریب بی بی کے لئے حرام کی بچی۔ اُلو کی پٹھی۔ ادت کی جنی سے بہتر اور کوئی لقب نہیں سوجھتا۔ اور اگر وہ کوئی اشارہ یا اظہار اس امر کا کرے کہ یہ الفاظ شرفا کو بولنے مناسب نہیں تو پھر جوتی پیزار تک کی نوبت آتی ہے۔ شریف زادیاں اپنے ماں باپ کے ناموس کی خاطر اور شوہر کی اطاعت فرض جان کر خون کے گھونٹ پیتی اور صبر کر کے بیٹھ جاتی ہیں اور زیادہ رنج ہوا تو ایک دو وقت کھانا نہیں کھاتیں۔ کیا ان مظلوموں کی فریاد سُننے والا دنیا میں کوئی نہ ہوگا۔ کیا اسلام کے واعظ گوارا کئے جائینگے کہ اندھیری کوٹھڑیوں میں یہ بدکرداریاں جاری رہیں اور اُن پر روشنی نہ پڑے۔ کیا قوم اور جماعت تمدنی ان ظالموں کو اُن کے ظلموں سے اس بناء پر قطع نظر کر کے کہ وہ بخ کے معاملات میں اپنی آنکھوں میں اُن کی عزت و توقیر ہونے دیگی اگر ہمارے واعظ یہ ہونے دینگے تو افریقہ اور کافرستان کے بردہ فروش ان واعظوں سے ہزار درجہ اچھے ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ یہ خلاف شرع پردہ اسی غرض سے رکھا گیا ہے کہ ان خلاف انسانیت حرکات کو کوئی دیکھنے والا اور اُن پر اعتراض کرنے والا نہ ہو اور اس خلاف شرع پردہ کے دور کرنے سے اس ظلم و ستم پر جو تمام ملک ہندوستان میں شب و روز نو عمر لڑکیوں اور بیکس عورتوں اور محتاج بیواؤں پر نہایت بے دردی کے ساتھ ہو رہا ہے اور جن کے رونے چلانے کی آواز چار دیواری سے باہر نہیں پہنچتی روز روشن کی روشنی پڑیگی اور اُس کے انسداد کی تدبیریں عمل میں آنی شروع ہونگی ۔

اس خلاف شرع پردہ سے عورتوں اور گود کے بچوں کی صحت جسمانی کو جس قدر مضرت

پہنچتی ہے اُس کو علم طب کے ماہر بخوبی جانتے ہیں۔ اور یہ اثر جس قدر نسل در نسل زیادہ ہوکر غیر معلوم طور پر مردوں کی صحت جسمانی پر پڑ رہا ہے اُس کا گواہ مسلمانوں کا عام ضعف ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کی عورتوں کا مقابلہ دنیا کی کسی اور قوم کی عورات سے کرو تو ان میں اس قدر فرق پاؤ گے جس قدر یہاں کے مرد اور عورات میں ہے۔ پس کیا جن لوگوں کو حفظ نوع کا خیال ہے اور حفظان صحت کی تدابیر سوچتے رہتے ہیں اور گندھک اور کاربالک اور لوبان اور فینائل جلاتے اور چھڑکواتے رہتے ہیں اُن کا فرض نہیں کہ وہ ہندوستان کی آدھی آبادی کو ہوائے لطیف میں نکلوانے کا فکر کریں +

شرع نے جو پردہ تجویز کیا ہے وہ حیاء انسانی پر مبنی ہے اور وہ اس قسم کا ظاہری پردہ ہے جس میں کوئی امر معیوب چھپا رہ نہیں سکتا۔ پردۂ خلاف شرع میں ڈولیوں اور چار دیواری کی آڑ کے ذریعہ سے ایسی بدکرداریاں وقوع میں آسکتی ہیں جن کا کوئی علاج نہیں۔ عزیز و اقارب کے ہاں سے ڈولی آنے پر دستور مروجہ کے بموجب مرد گھر سے باہر مردانہ میں رہتے ہیں اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ڈولی میں کون آیا اور گھر میں کیا ہو رہا ہے۔ گو ایسی صورتیں بہت ہی کم وقوع میں آتی ہوں مگر ایسی صورتوں کی گنجایش بخوبی پائی جاتی ہے۔ خلاف شرع پردہ سے لڑکیوں کی تعلیم کو بھی سخت نقصان پہنچتا ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم متفرق طور پر فرداً فرداً اشخاص کی کوشش سے سرانجام نہیں پاسکتی۔ بلکہ قومی تعلیم کے لئے ضرور ہے کہ عام اصول پر باضابطہ مدارس تعلیم ہوں اور وہ موجودہ حالت میں قائم نہیں ہو سکتے +

تعلیم کی تکمیل کے لئے اُن تمام مظاہر قدرت کا دیکھنا ازبس ضروری ہے جو لڑکوں کے

دیکھنے میں آتے اور باعث ازدیاد آگاہی اور تجربہ ہوتے ہیں۔ چار دیواری مکان کے اندر دنیا کے کیا عجائبات نظر آسکتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں کی عالیشان عمارتیں۔ عجائب خانجات چڑیا خانے۔ ریل کے کارخانے۔ دریاؤں کے پُل۔ باغات۔ یہ سب چیزیں ایسی ہیں جن کا دکھانا لڑکیوں کو ضرور ہے اور یہ سب چیزیں بے معلوم اثر دل کی توسیع اور ترقی عقل کا کرتی ہیں۔ ہم کو معلوم نہیں کہ اس بات سے کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ چالیس برس کی عورت کو اُتنی بھی عقل وہوش نہیں ہونی چاہیئے جتنی بارہ برس کے بچہ کو ہوتی ہے اور اس عقل وہوش کی عورتیں مائیں ہوکر بچوں کی تعلیم کی بنیاد کیا اچھے اصول پر رکھ سکتی ہیں +

انسان کے دماغ اور دل کی پُرحکمت ساخت سے جس میں ہزاروں قابلیتیں کسب علوم وفنون کی مخفی رکھی گئی ہیں اُس صانع ازلی وحکیم لم یزلی کی بے انتہا دانش کا ناقابل بیان اثر انسان کے دل پر پیدا ہوتا ہے۔ ان قابلیتوں نے مصنفوں صناعوں اور حکیموں کے وجود میں دنیا کو کیا کیا کمالات دکھلائے اور فائدے پہنچائے ہیں۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ قسام ازل کی طرف سے عورتوں کو ان قابلیتوں کا حصہ مردوں سے کچھ کم ملا ہے۔ ہرگز نہیں مگر اس خلاف شرع پردہ نے اللہ کی آدھی حکمت کو تاریکی میں چھپا رکھا ہے اور جواہرات بیش بہا کو خاک میں ملا رکھا ہے گویا یہ لوگ بجائے ماخلقت ھذا باطلاً کہنے کے خدا تعالیٰ سے یوں خطاب کر رہے ہیں انک خلقت ھذا باطلاً یعنے یا الٰہی تونے حقیقت میں یہ چیزیں لغو پیدا کی ہیں +

ایک اور بڑا فائدہ پردہ خلاف شرع کے توڑنے سے یہ ہوگا کہ مردوں کی صحبتیں عورتوں کے شمول سے زیادہ نیک اور مہذب ہوجائینگی۔ ہمارے اچھے اچھے تعلیم یافتہ نوجوان بھی جب

باہم بیٹھ کر بے تکلفی کی گفتگو کرتے ہیں تو اکثر اُن کی گفتگوؤں کے مضمون غیر مہذب اور بیہودہ ہوتے ہیں۔ اپنی بیٹیوں اور بہنوں اور بیبیوں کی شمولیت ان کی مجالس کو مووب اور مہذب اور باوقار اور مفید بنادیگی اور ہر شخص کو سلیقہ اور تمیز سے اور مناسب محل گفتگو کرنا آجائیگا اور اس قسم کی مجالس خرد سال بچوں کے لئے عمدہ راہ نمائے تربیت ہونگی۔ اگر خود حکم شریعت لوگوں کی نظر میں اس قابل نہیں رہے کہ بلا حصول کسی فائدہ دنیاوی کے ان کی تعمیل کی جائے تو بھی جو فائدہ اس خلاف ورزی حکم شریعت کے موقوف ہونے سے حاصل ہونگے وہ کافی ترغیب حکم شریعت پر چلنے کی ہوسکتی ہے ؎

جو کچھ خطرہ اس انقلاب سے خیال میں گذر سکتا ہے وہ فسق کے بڑھنے کا ہے۔ مگر کیا شارع علیہ السلام اور خود خدا تعالےٰ جس نے انسان کی ضرورتوں کو جان کر شریعت نازل کی اس خطرہ سے واقف نہ تھا۔ ضرور تھا۔ اور جو مناسب تدابیر تھیں وہ اُس حُکم شرعی میں مرعی رکھی گئی ہیں۔ اس سے زیادہ وہم وہم شیطانی ہے جس سے ہر مسلمان کو دور رہنا چاہیئے۔ ہر شہر میں عموماً چند گھر غریب مسلمانوں مثلاً جولاہوں۔ درزیوں۔ چپراسیوں وغیرہ کے ایسے ہوتے ہیں جن کی مستورات حوائج کے لئے باہر پھرتی ہیں اور نوکر چاکر رکھنے کا مقدور نہیں رکھتیں۔ باوجود اس کے بعض گھروں اور گھروالیوں کی نسبت تمام اہل محلہ کہا کرتے ہیں کہ ان کے چال چلن میں کوئی بات قابل عیب دیکھنے یا سُننے میں نہیں آئی ؎

پس جب ان غریب ادنےٰ گھروں کی عورتیں باوجود بے علمی اور بے استطاعتی کے اپنی عصمت کو اس طرح بچاسکتی ہیں تو کیا یہ شریف زادیوں ہی کے لئے خاص بات ہے کہ

وہ باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اور نیز اس امر کے کہ اُن کے لئے ترغیبات اس قدر موثر نہیں ہو سکتیں جس قدر غربا کی مستورات کے لئے اور نیز باوجود اس امر کے کہ شرفاء کی عورتوں کو جن کو نوکر چاکر رکھنے کا مقدور ہے بازاروں میں پھرنے کی ضرورت نہ ہوگی تاہم وہ فسق میں مبتلا ہوئے بغیر نہ رہینگی۔ ہم اپنی قوم کے معزز گھرانوں کی بیگمات کے اطوار و اوضاع کی نسبت نہایت اعلےٰ رائے رکھتے ہیں جو ہم کو ایسے ناپاک خطروں سے مانع ہے ٭

علاوہ ازیں یہ خطرۂ فسق بعض حالات میں تو محض بیہودہ و خیالی ہوتا ہے مثلاً سفر ریل میں ہم نے اثناء سفر میں بعض بدظن وہمیوں کو دیکھا ہے کہ اُن مقاموں پر جو ریل کے جنکشن کہلاتے ہیں یعنے جہاں ریل کی ایک گاڑی میں سے اُتر کر دوسری میں سوار ہونا پڑتا ہے چند مستورات کو ایک قطار میں کھڑا کرکے اور اُن کے دونوں طرف متوازی چادریں پکڑ کر ایک پلیٹ فارم سے دوسرے پلیٹ فارم تک اسی حراست میں لے جاتے ہیں اور تمام یورپین زن و مرد اُن کی حماقت پر ہنستے اور ٹھٹھہ کرتے ہیں ٭

بعض وہمی نہ صرف اسٹیشن پر ان اوہام پر عمل کرتے ہیں بلکہ چلتی ریل میں کھڑکیاں کھولنا اور مستورات کو باہر جنگل کی طرف دیکھنے دینا بھی معیوب اور مکروہ سمجھتے ہیں۔ اب ہمیں حامیان پردہ خلاف شرع بتلائیں کہ جنگل کے کسی کھیت میں کھڑے ہوئے مرد کو آناً فاناً دیکھ لینا کس فسق کی طرف منجر ہو سکتا ہے۔ علےٰ ہذا القیاس ریل کے اسٹیشن پر جہاں ملکوں ملکوں کے مسافر دور دراز مقامات کے ٹکٹ لئے ہوئے اپنی اپنی گھبراہٹ میں ہوتے ہیں کیا یہ خطرہ کیا جا سکتا ہے کہ اُن میں کا کوئی مسافر کسی عورت کو دیکھ کر اُس کی بود و باش کا حال پوچھنے کے درپے ہوگا اور

اُسی وقت ان امور کو آسانی سے معلوم کر کے اپنا سفر ملتوی کر کر تمہارے ساتھ ہولیگا اور جہاں تم جاؤ گے وہاں وہ بھی آکر رہیگا۔ ان باتوں کو کوئی شخص جس کو ذراسی بھی عقل ہوگی تسلیم نہ کریگا۔

لطیفہ۔ پردہ کے تشدد کے اصول پر ہم نے ایک روز غور کی تو ایک عجیب لطیفہ معلوم ہوا۔ بیوی کی صورت۔ آواز۔ قد و قامت۔ لباس وغیرہ چیزیں تو پردہ میں چھپائی گئی تھیں۔ تماشا تو یہ ہے کہ **بیوی** کے لفظ کا بھی پردہ کیا جاتا ہے اور پردہ بھی نہ صرف آنکھ یا کان سے بلکہ مردوں کے ذہن سے بھی۔ کوئی بھلا مانس یوں نہیں بولتا کہ میری بیوی یہ کہتی ہیں۔ یا میری بیوی کا یہ حال ہے۔ بلکہ بیوی کی بجائے اور پردہ کے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ہر شریف شخص ڈرتا ہے کہ میں بیوی کا لفظ یا اُس کا کوئی ایسا ہم معنی لفظ نہ بولوں جسے سُن کر مخاطب کا ذہن یا خیال سیدھا میری بیوی کی طرف جائے بلکہ وہ ایسا لفظ استعمال کریگا جس سے مخاطب کا ذہن اُس کی بیوی کی طرف متوجہ نہ ہو اس غرض کے لئے عموماً بیوی کی بجائے الفاظ گھر میں سے بولے جائینگے مثلاً بجائے اس کے کہ میری بیوی بیمار ہیں یوں کہینگے کہ میرے گھر میں سے بیمار ہیں۔ اگر یہ پوچھنا ہو کہ آپ کی بیوی یہاں ہیں تو اس کی بجائے یوں کہینگے کہ آپ کے گھر میں سے یہاں ہیں۔

ان الفاظ کے وضع کرنے کی یہ ہی وجہ ہے کہ گھر کا لفظ سُن کر سامع کا ذہن تخصیص کے ساتھ کسی فرد خاص کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ گویا بیوی کا پردہ صرف آنکھ یا کان سے ہی نہیں کرایا جاتا بلکہ خیالات اور ذہن سے بھی کرایا جاتا ہے۔ ہمیشہ یہ ہی ڈر رہتا ہے کہ کہیں مخاطب کے خیال کا بیوی کے ساتھ آمنا سامنا نہ ہو جائے۔

ہمارے بعض ہندوستانی بھائی گھر میں سے کی بجائے کبھی کبھی ایک اور بیہودہ لفظ بولا کرتے ہیں یعنی سواریاں۔ جب کسی کی بیوی کہیں سے آتی ہے تو کہتے ہیں کہ سواریاں آئیں ۔

بعض لوگ خصوصاً پنجابی بیوی کی بجائے قبیلہ کا لفظ بولتے ہیں۔ وہ بھی اسی قسم کا لفظ ہے جو مجموعۂ مردمان پر دلالت کرتا ہے اور ذہن کو تھوڑی دیر کے لئے مختلط کر ڈالتا ہے اور خیال کو سیدھا کسی کی بیوی کی طرف نہیں جانے دیتا۔ مگر ان پردہ پوشوں کو بڑی مشکل پیش آتی ہے وہ یہ کہ یہ الفاظ جو پردہ داری کے لئے وضع کئے جاتے ہیں کچھ عرصہ کے بعد کثرت استعمال کی وجہ سے ایسے بن جاتے ہیں کہ اُن کی دلالت اپنے مدلول حقیقی پر محض مجازی رہ جاتی ہے اور اس اصطلاحی معنے پر حقیقی بن جاتی ہے یعنی رفتہ رفتہ ان لفظوں سے بھی ذہن پر وہی اثر ہونے لگتا ہے جو لفظ **بیوی** سے ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں جب اُن کی پردہ داری کی بجائے پھر پردہ دری ہونے لگتی ہے تو وہ اُس لفظ کو جو پہلے ہی معنے جمعیت کے رکھتا ہے دوبارہ جمع بناتے ہیں مثلاً قبیلہ کی بجائے قبائل کہنے لگتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ ڈبل جمع تو ضرور کچھ ذہن اور بیوی کا آمنا سامنا روکیگی۔ مگر کثرت استعمال سے آخر پھر وہی دقّت پیدا ہوتی ہے یعنی رفتہ رفتہ قبائل بھی بالکل بیوی کا مرادف یعنی ہم معنی بن جاتا ہے ۔

بیچارے پردہ پوش اس لفظ پر جمع کی ایک اور تہ چڑھاتے ہیں اور قبائل کی بجائے قبائلان بولتے ہیں۔ مگر تا کجے۔ زبانِ خلق چند روز میں ہی اُس کو بھی بیوی کا ہم معنی بنا دیتی ہے اور بیچاری بیوی پھر بے پردہ ہونے لگتی ہیں۔ تب اہل زبان ایک اور بڑا بھاری غلاف جمع کا چڑھاتے ہیں اور قبائلان ہائے بولنے لگتے ہیں لیکن خدا جانے جب اس لفظ کا بھی وہی حال ہوگا تو پھر

کیا کرینگے غرض کوشش کی جاتی ہے کہ بیوی کو ایسی تاریکی در تاریکی میں رکھا جائے اور اُس پر اس قدر لحافوں کی تہ چڑھائی جائے کہ اس بات کا پتہ لگانا مشکل ہو جائے کہ ان لحافوں میں کون ہے کوئی انسان ہے یا حیوان ہے ؂

ہمارا مطلب ان امور کے اظہار سے یہ ہرگز نہیں کہ جس طرح اخباروں میں سیکڑوں مضامین لکھے جاتے اور پڑھے جاتے ہیں اور کچھ عمل اُن پر نہیں ہوتا یا نہیں ہو سکتا اسی طرح ہماری یہ تحریر بھی ضایع جائے اس لئے ہم اُس کے ہر پہلو پر نظر کرنا اور لوگوں کے دلوں کے چھپے ہوئے اعتراض ظاہر کرنا اور اُن کو سمجھانا اور طریق شریعت صاف کرنا چاہتے ہیں۔ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ اگر پورے پورے طور پر فی الحال اُس طریق پر آنا مشکل ہے تو وہ تدریجی سبیل نکالی جائے جو کچھ عرصہ بعد اُن کو خاص طریق محمدی پر لے آئے۔ پس ہم لوگوں کے خطروں کو تسلیم کرکے اور زمانہ کی بدوضعی پر خیال کرکے اور مصلحت وقت کا بھی اندازہ کرکے یہ ضروری سمجھتے ہیں کہ فی الحال پردہ کے بے حد تشدد کو توڑا جائے اور اُس کے لئے ایک قسم کا ضابطہ اور یک رنگی تجویز کی جائے اور ایک اس قسم کی اعتدال کی راہ نکالی جائے جو نہ آزادی کے اُس پرے کنارہ تک پہنچتی ہے جہاں مغربی تہذیب پہنچاتی ہے نہ اُس میں وہ تنگی اور دقّت ہو جس سے شرعی حکم جو محض حیاداری کی حفاظت کے لئے ہے جس بے جائی حد تک پہنچ جائے۔ باوجود اس کے کہ اہل اسلام ہند نے پردہ کے تشدد کو درجۂ غلو تک پہنچایا ہے تاہم یہ تعجب کی بات ہے کہ اس غلو کے لئے اُنھوں نے کوئی اصول یا ضابطہ مقرر نہیں کیا۔ عام ضابطہ جو بظاہر پردہ مروجہ کی بنیاد معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ غیر محرم عزیزوں سے جس قدر شریعت نے پردہ کا حکم دیا ہے اُس حکم شریعت میں ہمارے علماء نے اتنی

اور ترمیم کی ہے کہ چہرہ اور ہاتھوں کو بھی اُن اعضاء میں داخل کر لیا جن کے چھپانے کا درحقیقت حکم دیا گیا تھا۔ مگر یہ ضابطہ بھی کلی نہیں معلوم ہوتا اور سیکڑوں خاندانوں میں ہم خالہ زاد بھائی بہنوں اور پھوپھی زاد اور ماموں زاد بھائی بہنوں میں پردہ نہیں پاتے۔ ایک اور ترمیم حکم شریعت میں یہ ہوئی ہے جو سب سے عجیب اور بہت ہی بیہودہ ہے کہ بہو کا پردہ خسر سے کرایا جاتا ہے تیسری ترمیم حکم شریعت میں یہ ہوئی ہے کہ پہلی ترمیم میں جس کے بموجب شوہر کا بھائی ایسا رشتہ دار قرار پاتا تھا جس سے پردہ لازم ہے یہ استثناء کیا ہے کہ شوہر کا چھوٹا بھائی اس حکم کی پابندی سے معاف ہے۔

بیماری کی حالت میں مستورات کو پردہ کی وجہ سے اور بھی مشکلات واقع ہوتی ہیں۔ اور اس کی حفاظت میں جانِ عزیز کا تلف کر دینا تمغائے شرافت سمجھا جاتا ہے۔ جب کسی مریضہ کو دیکھنے کے لئے یعنی صرف نبض دیکھنے کے لئے حکیم آتا ہے تو بڑے سے بڑے لحاف کی موٹی تہ مریضہ کے پردہ کے لئے کافی نہیں سمجھی جاتی بلکہ مزید احتیاط کے لئے مریضہ کے پلنگ کے محاذی ایک چادر تانی جاتی ہے اور معالج اُس چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر مریضہ کی نبض ٹٹولتا ہے۔ **لطیفہ**۔ ایک ہمارے دوست حسین بیوی رکھتے تھے۔ اُس بیچاری کے ہاتھ کی پشت پر رسولی نکل آئی۔ اور ضرور ہوا کہ ہاتھ ڈاکٹر کو دکھایا جائے۔ ہمارے دوست کو اس قدر فکر رسولی کے مرض کا نہ تھا جس قدر یہ فکر تھا کہ اُن کی بیوی کے حسین ہاتھ پر ڈاکٹر کی نظر پڑیگی۔ ہم نے اُن کو اس فکر میں غلطاں و پیچاں پاکر اُن کو یہ تجویز بتائی کہ مقام ماؤف کے سوا باقی کل ہاتھ پہونچے تک نیل یا سیاہی میں رنگ دیا جائے۔ مگر ہمارے دوست نے اس کو تمسخر سمجھ کر بہت بُرا مانا۔

سینہ کے امراض مثلاً دق یا سل میں جو عموماً مستورات کو زیادہ ہوتے ہیں اور مہلک ہیں سینہ کا

امتحان ایک امر لابد ہے جس کو بہت ہی کم شرفا گوارا کرتے ہیں۔

ستر شرعی کے باب میں بھی احکام شریعت کا پاس بالکل اُٹھ گیا ہے اور سوائے معدودے چند متقی خاندانوں کے لباس بلحاظ قطع ایسا چھوٹا یا تنگ ہوتا ہے جو ستر شرعی کے لئے کافی نہیں ہوتا اور اس کے لئے عموماً کپڑا بھی ایسا استعمال کیا جاتا ہے جو اُن کے جسم سے وہ ہی نسبت رکھتا ہے جو ٹریسنگ کلاتھ نقشہ یا تصویر سے رکھتا ہے۔ غرض پردہ ستر اور حجاب دونو حیثیت سے اصلاح طلب ہے۔ ہماری رائے میں ستر اور حجاب میں جو اصلاحیں فی الحال عمل میں آنی ضروری ہیں اُن کے لئے تجاویز مندرجہ ذیل قابل غور ہیں:-

۱۔ جو عورات بڑے پائینچے کے پاجامے پہنیں اُن کو لازم ہے کہ گھٹنوں تک کی جرابیں پہنیں۔

۲۔ کُرتی کم از کم اس قدر لمبی ہونی چاہئے کہ نیفہ کو بالکل ڈھک لے اور کسی حالت میں شکم ظاہر نہ ہونے پائے۔

۳۔ کُرتی یا تو ایسے کپڑے کی ہو کہ اُس میں سے بدن نظر نہ آسکے یا اگر باریک کپڑے یا ریشم کی ہو تو اُس کے نیچے جسم چھپانے کے لئے بدن سے چسپاں اور صدری یا بنیان ہونی چاہئے۔

۴۔ کُرتوں کی آستینیں ایسی ہونی چاہئیں جس سے جسم کی صورت نہ معلوم ہو سکے۔

۵۔ جن عورات کو چھوٹی آستین کی کرتیوں کی عادت ہے اُن کو چاہئے کہ ایسی نیم آستین کرتیاں لمبے آستین کے کرتوں یا قمیصوں پر پہنیں۔

۶۔ کُرتوں اور صدریوں کے گریبان بند ہونے چاہئیں اور اُن کے ایسے گلوبند ہوں جن سے گردن چھپی رہے۔

۷- کمر بند کا لٹکتا نظر آنا سخت بے تمیزی اور بے حیائی ہے *

۸- کمر بند میں کنجیوں کا گچھا یا بٹوا ہونا اور کنجیوں اور بٹوے کی ہر ضرورت پر کمر بند کی طرف ہاتھ لے جانا سخت گنوارپن ہے *

۹- بجائے بھدی اور گھیتلی جوتی کے جن کا دیہات و قصبات میں عام رواج ہے سلیم شاہی جوتی یا انگریزی گرگابی مع موزہ پہننا زیادہ آرام کی بات ہے *

۱۰- جو صاحب ہماری رائے سے اتفاق رکھتے ہوں جس شہر میں جتنے ہوں وہ اپنی ایک خاص جمعیت بغرض اصلاح حالت مستورات اہل اسلام ہند بنائیں - اور اُن کی مجالس میں اُن کے ہمراہ اُن کی بیبیاں بھی شامل ہوا کریں جو حسب مرضی اُن صاحبان کے لباس شرعی میں ملبوس ہوں یا کسی ایسے لباس میں جو وہ اس موقع کے لئے قرار دیں۔ یہ فی الحال سب سے اعلیٰ درجہ کی اصلاح متصور ہوگی *

۱۱- اس سے اُتر کر ایک اوسط درجہ کی اصلاح ہونی چاہیئے - وہ یہ ہوگی کہ مرد بضرورت درستی صحت مستورات کو نقاب یا برقع پہنا کر اپنے ہمراہ ہواخوری کے لئے باہر لے جانے کا دستور قایم کریں اور خرید و فروخت کے ایسے معاملات میں بھی جو خاص عورتوں کی پسند کے بموجب ہوتے ہیں اور خدمتگاروں کو بیسیوں پھیرے کرنے پڑتے ہیں مستورات کو برقع اوڑھ کر اپنے کسی عزیز کے ہمراہ بازار جانے میں کچھ عیب نہیں ہونا چاہیئے - یہ امر خاص کر عورتوں کو اپنے لباس کے لئے پارچہ خرید کرنے میں جس کے لئے بار بار بے شمار تھان گھر پر لا کر دکھانے پڑتے ہیں و نیز دیگر ضروری اشیاء خانہ داری کی خرید میں بہت مفید ہوگا *

۱۲- موقعہٗ بیماری پر جب عورت کے کسی حصہ جسم کا طبیب کو دکھانا ضرور ہو تو صرف اُس قدر حصہ کا جس کے ملاحظہ کی اشد ضرورت ہو مناسب طریق سے روا رکھا جائے جیسا کہ تمام کتب فقہ سے اس امر کا جواز ثابت ہے ؞

۱۳- خدمتگاروں اور دوکانداروں کے ہمراہ برقع اوڑھ کر گفتگو کرنا معیوب نہ سمجھا جاوے۔

گو شریعت نے باستثنائے چہرہ کل جسم کو چھپا کر جملہ غیر محرم اشخاص کے روبرو ہونے کی اجازت دی ہے لیکن ہم فی الحال بلحاظ مصلحت زمانہ اس وسیع دایرہ کو کسی قدر تنگ کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔ ذیل میں ہم اُن رشتہ داروں کی فہرست دیتے ہیں جن سے بلحاظ یگانگت و عزیزداری پردہ کرنے میں سخت ہرج اور تکلیف ہے اور یہ امر باعث قطع محبت و کمی ہمدردی ہوتا ہے ان رشتہ داروں میں کوئی پردہ سوائے شرعی پردہ کے جس کی تفصیل اوپر گذری نہیں ہونا چاہیئے۔

(الف)۔ کسی عورت کا پردہ اپنے چچازاد بھائی۔ یا پھوپھی زاد بھائی۔ یا ماموں زاد بھائی یا خالہ زاد بھائی سے نہیں ہونا چاہیئے ؞

(ب)۔ کسی عورت کا پردہ اپنے حقیقی خسُر یا چچیا خسُر یا پھپھیا خسُر یا ممیا خسُر یا خلیا خسر سے نہیں ہونا چاہیئے۔ یعنے شوہر کے باپ یا شوہر کے چچا یا شوہر کے پھوپھا یا شوہر کے ماموں یا شوہر کے خالو کے روبرو ہونے میں بالکل عیب متصور نہیں ہونا چاہیئے ؞

(ج) کسی عورت کا پردہ اپنے شوہر کے حقیقی بھائی یا چچازاد بھائی یا پھوپھی زاد بھائی یا خالہ زاد بھائی یا ماموں زاد بھائی سے نہیں ہونا چاہیئے ؞

(۴) ساس اور ساس کی بہنوں کا پردہ داماد سے نہیں ہونا چاہئے ٭

(۵) سالی کا پردہ بہنوئی سے نہیں ہونا چاہئے ٭

نکاح

جبکہ عورتوں کے حقوق کا مردوں کے حقوق کے برابر ہونا اور اُن کی تعلیم کی ضرورت اور احکام پردہ کا بیان ہو چکا تو مناسب ہے کہ اب ہم نکاح کے متعلق چند ضروری امور بیان کریں ٭

نکاح مرد اور عورت کی زندگی میں ایک بڑا بھاری انقلاب ہے اور متاہلانہ زندگی بالکل ایک عجیب نئی قسم کی زندگی ہے جس کی نسبت کسی طرح کا قیاس اس قسم کی زندگی کا تجربہ کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ عورت اور مرد کے پیدا ہونے کی جو علت غائی ہے اُس کا حصول نکاح سے ہوتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ وہ علت غائی حفظِ نوع ہے۔ انسان کے سوا جس قدر اَور حیوانات ہیں اُن میں بھی نر اور مادہ کا پیدا کیا جانا بقاءِ نسل کے لئے ہے مگر اُن میں اور انسان میں جس کو عقل و تمیز سے مشرف کیا گیا ہے ایک یہ فرق عظیم ہے کہ دیگر حیوانات کے بچے پیدا ہو کر ایسے بے بس اور والدین کی مدد کے محتاج نہیں ہوتے جس قدر انسان کا بچہ ہوتا ہے۔ انسان کا بچہ کئی سال کے عرصہ تک والدین کی پرورش کا محتاج اور محض بے بس اور اَور حیوانات سے بھی کم عقل ہوتا ہے۔ انسان کے بچہ کی پرورش محال ہوتی اگر نوع انسان میں سے ہر ایک مرد کسی نہ کسی عورت کو مدت العمر کے لئے اپنے لئے مخصوص نہ کر لیتا اور نیز تاوقتیکہ وہ مخصوص کردہ شدہ عورت اُس مرد کے لئے حقیقی غمخوار اور مونسِ غمگسار اور شریک غم و راحت نہ بن جاتی کسی مرد کا

کسی عورت کو اس طرح دوام کے لئے علے الاعلان مخصوص کرنا عرفِ شرع میں نکاح کہلاتا ہے۔
مرد اور عورت میں حقیقی اُنس و شفقت کا ہونا اور باہم ایک دوسرے کا غمخوار و غمگسار بننا اصلی
مقصد نکاح یعنے حفظ نوع انسان کی تکمیل کے لئے اس قدر ضروری ہے کہ وہ بجائے لوازم مقصد
اصلی متصور ہونے کے بمنزلہ ایک جداگانہ مقصد نکاح کے سمجھا جاتا ہے۔ پس اس طرح پر نکاح کے
گویا دو مقصد ہوتے ہیں۔ ایک بقائے نسلِ انسان۔ دوم زندگی بھر کے لئے ایک مونس شفیق و
ہمدرد مخلص منتخب کر لینا۔ اور نکاح کا کامل یا ناقص ہونا اسی امر پر موقوف ہے کہ جو نکاح کے
اصلی اغراض ہیں وہ کس حد تک پورے ہوتے ہیں۔ اس لئے نکاح کے کامل اور مفید ہونے
کے لئے ضرور ہے کہ وہ سب شرایط جن سے اغراض نکاح کا حصول باحسن الوجوہ ہوتا ہو پورے
کئے جائیں۔ جس قدر ان شرایط کے پورا ہونے میں کوتاہی ہوگی اُسی قدر نقص نکاح میں باقی رہیگا۔
پہلے مقصد کے حصول کے لئے فریقین ازدواج کی صحت کا عمدہ ہونا اور ایک خاص حدِ عمر کو
پہنچ جانا ضروری ہے کیونکہ ایسے فریقین ازدواج کی اولاد جن کے قویٰ جسمانی اپنے پورے درجے
نشوونما تک نہیں پہنچے بجائے اس کے کہ موجب بقائے نسلِ انسان ہو بوجہ نسل ناقص ہونے کے
موجب فنائے نسل انسان ہوتی ہے۔ دوسرے مقصد کے حصول کے لئے بھی فریقین ازدواج
کا ایسی عمر کو پہنچ جانا ضرور ہے کہ وہ اس دوامی معاہدہ کی وقعت اور اُس کے فرایض کی جوابدہی
اور اُس کے اہم نتایج کو سمجھ سکتے ہوں اور اُن کے اس انتخاب میں بجز مشورہ مشفقانہ اور نصیحت
بزرگانہ کے کوئی ایسا امر وقوع میں نہیں آنا چاہئے جو اُن کی آزادی رائے کو دبا کر جبرًا ایسا
تعلق پیدا کرنے کی طرف مائل کرے جو حقیقت میں اُن کو ناپسند ہو یا جس کی طرف اُن کو پوری

دلی رغبت نہ ہو۔ اس حد عمر کو عرف شرع میں بلوغ اور اِس آزادی کو ایجاب وقبول سے تعبیر کرتے ہیں۔ اب دیکھنا چاہئے کہ اہل اسلام ہندوستان میں جو نکاح عمل میں آتے ہیں اُن سے یہ اصلی اغراض نکاح حاصل ہوتی ہیں یا نہیں +

نسبت امرِ اوّل ہم اہل اسلام ہندوستان کی حالت نہایت قابل افسوس پاتے ہیں۔ صرف یہ ہی نہیں کہ اُنھوں نے کوئی عام حد عمر نکاح مقرر نہیں کی یا بہت صغر سنی میں نکاح کیا جاتا ہے بلکہ دودھ پیتے بچّوں اور کبھی کبھی بن پیدا ہوئے بچوں کا جو ابھی پیٹ میں جنین ہوتے ہیں رشتہ ہو جاتا ہے جو نکاح سے بھی زیادہ موکد اور ناقابل التنسیخ ہوتا ہے۔ اس قسم کے ازدواج سے صرف یہ ہی نقصان نہیں ہوتا کہ فریقین ازدواج اُس خوش معاشرتی سے جو خوشی کے انتخاب وپسندیدگی کا نتیجہ ہے محروم رہ کر ناموافقت و باہمی کدورت کی تلخی تمام عمر چکھتے ہیں بلکہ اُس زبردستی کے رشتہ کے ہو جانے کے بعد نکاح بھی ایسی صغر سنی میں ہو جاتا ہے کہ اُس وقت تک لڑکے اور لڑکی کے اعضاء کا نشو ونما اس رشتہ کے قابل نہیں ہوتا۔ اس لئے جو بچے بچپن میں ہی شوہر و زوجہ اور چند روز بعد باپ اور ماں بن جاتے ہیں اُن کی صحت کو ایسے سخت صدمے اُٹھانے پڑتے ہیں کہ پھر کسی قسم کی تدبیر یا علاج سے تمام عمر اُس کی تلافی نہیں ہو سکتی +

جن شرائط پر دوسرے مقصد کا حصول ہے وہ بھی نکاح مروجہ میں کلّی طور پر مفقود ہوتی ہیں۔ اوّل تو شوہر کو زوجہ کے پسند کرنے کا اختیار ہی نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو دس بارہ برس کا بچّہ کیا جان سکتا ہے کہ میں کس قسم کا اور کتنی مدت کے لئے معاہدہ کرتا ہوں اور اُس کا کیا اثر میری کل زندگی پر ہوگا۔ لیکن اس قدر صغر سنی میں نکاح ہونا ایسا صریحًا مذموم امر ہے کہ اُس کی مذمت سے

عموماً لوگ واقف ہو گئے ہیں اس لئے اِس امر پر زیادہ زور دینا غیر ضروری ہے۔ لیکن جو نکاح عموماً زمانہ بلوغت یا اس سے بھی بعد عمل میں آتے ہیں اُن کے پسندیدہ ہونے میں شاید بہت کم لوگوں کو کلام ہوگا۔ مگر ہم ان نکاحوں کو بھی سخت قابل اعتراض سمجھتے ہیں۔ جہاں تک ہمارا تجربہ ہے کسی صورت میں لڑکی کو تو اپنے لئے شوہر کے پسند کرنے یا اس باب میں کچھ ضعیف سی بھی رائے دینے کا اختیار ہوتا ہی نہیں اِلّا یہ سمجھنا بھی کہ لڑکوں کو ایسا اختیار حاصل ہوتا ہے صریح غلطی ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بزرگوں کا بزرگانہ دباؤ اور عزیز و اقربا کا زبردست لحاظ اور دوستوں کی پاس خاطر ان سب امور کا مجتمع قوی اثر بیچارہ لڑکے پر ڈال کر اُس سے شرماشرمی کسی نہ کسی طرح اظہار پسندیدگی کروا لیتے ہیں۔ مگر آیا یہ اُن کی دلی اور حقیقی پسندیدگی ہوتی ہے اُن کی متاہلانہ زندگی کے طریق عمل سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن کیا امر ہے جو والدین کو اُس قسم کے نکاح سے جو درحقیقت مفید صحت و اخلاق اور مطابق شریعت ہے منحرف کر کے ایسے قسم کے ازدواج کی ترغیب دیتا ہے جس سے فریقین ازدواج کی صحت بالکل برباد اور اُن کے اخلاق مذموم اور بقیۃ العمر سخت تلخی اور بدمزگی میں بسر ہوتی ہے۔ یہ موجب ترغیب کوئی انوکھی چیز نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہی چیز ہے جو دُنیا کی تمام خرابیوں کی جڑ اور ہر فساد کی بنیاد اور ہر فتنہ کا باعث ہوتا ہے یعنی طمعِ زر۔ یہ طمع جو تمام خواہشوں کا اصلی مرکز ہے مختلف اصول کے پیرایہ میں ظاہر ہوتا ہے۔ کوئی شادی کرنے کا یہ اصول قرار دیتے ہیں کہ روٹی ٹکرہ کا آرام ہو جائے۔ یہ اصول عموماً غریب محتاج لوگوں یا اشخاص اہل حرفہ کا ہے جن کو اپنے ہاتھ سے ہانڈی ڈوئی کرنی پڑتی ہے۔ تعلیم و اخلاق اور اُس اعلیٰ درجہ کی خوشی سے

جو شوہر و زوجہ کا روحانی تعلق پیدا کرتا ہے محض بے خبر ہوتے ہیں اُن کا منتہائے خوشی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب وہ ہارے تھکے بھوکے پیاسے شام کو محنت مزدوری کر کے آئیں تو اُن کو اپنا غریبانہ کھانا گرم گرم تیار ملے۔ کھانا کھا کر اور پانی پی کر لیٹ جائیں اور ایک شخص دلسوزی و محبت سے اُن کی مٹھی چاپی کرے اور اُن کو آرام سے سُلا دے۔ اور اس آرام کے بدلے وہ صرف روکھی سوکھی روٹی اور پھٹے پُرانے کپڑے لینے پر قناعت کرے بلکہ اپنے اس خرچ کی قیمت سے زیادہ محنت کرکے۔ چرخہ کات کر۔ چکی پیس کر۔ سلائی کے کپڑے سی کر اور طرح طرح کی مزدوری کر کر بال بچوں کی پرورش کرے۔ یہ ایسے غریب طبقہ کے شوہروں کا اصول ہے کہ اس طبقہ کی عورت اپنے ماں باپ کے گھر میں بھی اس آرام سے زیادہ نہیں پا سکتی جو اُس کو اپنے شوہر سے ملتا ہے۔ پس اس طبقہ کے لوگوں میں نکاح کا یہ اصول اور میاں بی بی کا یہ سلوک اُن کی حالت کے لحاظ سے کچھ چنداں قابل شکایت نہیں ہے

درحقیقت نکاح کا یہ اصول کہ روٹی ٹکڑے کا آرام ہو جائے ایک فرع ہے اُس عام غلط اصول کی کہ عورت مرد کے آرام کے لئے ہے۔ اسی وجہ سے باپ بیٹیوں کو خدمتگار سمجھتا ہے۔ بھائی بہنوں کو خدمتگار جانتا ہے اور میاں بی بی کو باندی بنا کر رکھتا ہے۔ اور اس اصول کی بنیاد ہے خود غرضی اور طمع کیونکہ بحالت مساوات حقوق زن و مرد اخراجات خانگی المضاعف ہو جاتے ہیں*

کبھی کبھی یہ اصول اپنی اصلی صورت میں نمایاں ہوتا ہے جبکہ بعضے لوگ ایسے امیر شخص کی بیٹی سے شادی کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں جو اولاد نرینہ نہ رکھتا ہو کہ بی بی کی بدولت مال کے وارث بنیں۔ پس جب جورو کی کمائی کھانا نکاح کا اصول ٹھیرا تو ایسے اصول پر چلنے والوں کو کیا ضرورت

ہے کہ بیوی کے پسند اور منتخب کرنے کی زحمت اُٹھائیں۔ نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ ناموافقت مزاج ہونے کی وجہ سے جو اس قسم کے نکاحوں کو بالطبع لازم غیر منفک ہے تمام عمر عذاب میں گذرتی ہے اور اصلی شرعی نکاح سے جس قدر برکتیں اور راحتیں پیدا ہوتی ہیں اُتنی ہی ان نکاحوں سے رنجشیں اور خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ اور آخر کار بجز اس کے کوئی چارہ نہیں پاتے کہ اُس شادی کو جو ماں باپ نے کرائی تھی کالعدم سمجھ کر کسی اور عورت کو جو خوش صورت و خوش سیرۃ ہو رفیق بنائیں۔ مگر قوم کی حالت و دستور اجازت نہیں دیتا کہ اپنا اختیار و پسندیدگی پورے طور پر کام میں آسکے۔ ہر چند رسول خدا صلعم کا حکم موجود ہے کہ نکاح کرنے سے پہلے دیکھ لو مبادا اُن میں کوئی عیب یا ایسا امر ہو جو بعد نکاح موجب ناموافقت ہو مگر کون خدا اور کس کا رسول۔ یہاں فرضی ناموس ناموس اکبر سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ لاچار شرفا کے بچے بجز کسبیوں کے اور کسی کو نہیں پاتے جو اس حکم رسول خدا صلعم کا استعمال اپنے پر ہونے دیں۔ لاچار وہ کسبیوں کو گھر میں ڈالتے اور شریف خاندانوں کو بدنام کرتے اور اپنے بڑوں کی عزت کو جو ضرور ڈوبنی چاہئے تھی ڈبوتے ہیں۔

ایک اور اصول نکاح کا ہے جس سے گو اس قدر دنائت نفس ظاہر نہیں ہوتی جس قدر اصول مذکورۂ بالا سے مگر بد نتائج پیدا کرنے میں دیگر اصول سے کچھ کم نہیں میری مراد اُس اصول سے ہے جو ہڈی کے اچھا بُرا ہونے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ عورت کی صورت شکل کا کیا دیکھنا۔ عورت کی صفت یہ ہے کہ ہڈی کی اچھی ہو۔ ہڈی سے واقعی جسم کی استخوان مراد نہیں ہیں بلکہ شرافت نسبی سے کنایہ ہے۔ بعض لوگ تو اس شرافت نسبی پر اس قدر شیدا اور دل دادہ

ہیں کہ اُن کے نزدیک عورت کا لنگڑی۔ اندھی۔ کانڑی۔ اپاہج۔ زشت رو۔ بدسیرۃ ہونا
اُس کے شریف النسب ہونے کی خوبیوں کے آگے ہیچ ہے۔ بعض حسن پرست اس میں ترمیم
کرکے یہ کہتے ہیں کہ آنکھیں اور دل لحظہ بھر کے لئے کسبیوں سے بھی خوش کیا جاسکتا ہے مگر بی بی
کہلانے کے لئے کوئی شریف النسب عورت ہی گھر میں ہونی چاہیئے۔

ایک قصہ ہمیں ہمیشہ یاد رہیگا۔ کسی نے ہمارے آگے اپنی بی بی کی بہت تعریف کی اور خدا
کا بہت شکر ادا کیا کہ ایسی بی بی اُس کو عطا فرمائی۔ ہمیں اُس کی بی بی کے اوصاف سُننے کا شوق
ہوا۔ اُس نے کہا کہ بس وصف کیا بیان کروں۔ خدا جانے آپ کی کیا رائے ہے۔ مگر میری رائے
میں تو اُس میں ایک وصف تمام جہان کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ میں نے کہا کہ آخر فرمایئے
توسہی۔ اُس نے کہا کہ شاید آپ یوں ہی ہنسی میں اُڑائیں میں ہرگز بیان نہ کرونگا۔ مجھے اس بات
کی کچھ پروا نہیں کہ اُس وصف کی کوئی اور شخص بھی داد دے۔ غرض جب ہم نے بہت اصرار
کیا تو یہ معلوم ہوا کہ اُن کی بی بی دونو آنکھوں سے اندھی ہے۔ اور باوجود اندھی ہونے کے روٹی
وغیرہ کا کام اچھی طرح انجام دے لیتی ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک ضرب المثل سُنائی جو اس
وقت ہمیں یاد نہیں رہی اُس کا مطلب یہ تھا کہ عورت ایسی زشت رو کرنی چاہیئے جس کی
طرف کسی کو رغبت نہ ہو۔ اور اندھی ہونے سے اس بات پر خوش تھے کہ اُن کو اس امر کا
اطمینان ہے کہ وہ کوٹھے پر کھڑے ہوکر یا ڈولی کے پردہ میں سے یا اور کسی روزن وغیرہ میں
سے مردوں کو دیکھ نہیں سکتی جس سے خواہ مخواہ وہم پیدا ہوں۔

جس طرح نکاح سے نکاح کرنے والوں یعنے شوہروں کی بعض اوقات کمینہ غرضیں ہوتی ہیں

اسی طرح بعض اوقات لڑکی کے ماں باپ کی بھی غرض نہایت کمینہ ہوتی ہے ؛

ایک غریب مفلوک الحال خاندان نے اپنی لڑکی نہایت آسودہ حال و متمول خاندان میں میں اس غرض سے بیاہی کہ اُس کے ذریعہ سے ہم امیر ہو جائیں۔ اس کا انتظام انہوں نے اس طرح کیا کہ مہر کی تعداد زیادہ قرار دی اور اپنی کوشش اس میں مبذول رکھی کہ لڑکی اپنے شوہر کی اس قدر تابعدار اور فرمانبردار اور گرویدہ نہ ہو جائے کہ جو وہ کہے وہ ہی کرے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ اُن کی لڑکی اپنا مہر معاف نہ کرے۔ اس کے بعد یہ منصوبہ باندھا کہ دو صورت میں سے ایک صورت ہونی ضرور ہے۔ یا شوہر پہلے مریگا۔ یا بی بی۔ اگر شوہر پہلے مرا تو وہ بیٹی سے مہر کا دعوے کر کے دولت بے شمار حاصل کرینگے۔ اور اگر وہ خود پہلے مرگئی تو شوہر سے ترکہ دختری کے دعوے دار ہونگے ؛

لالچی ماں باپ کی بدنصیبی سے لڑکی کو اپنے شوہر میں کوئی عیب نظر نہ آیا اور میاں بیوی میں اس قدر محبت بڑھ گئی کہ اُس نے نہایت خوشی سے مہر معاف کر دیا۔ کہتے ہیں کہ ماں باپ اُس بدنصیب لڑکی سے اس قدر آزردہ ہوئے کہ نہ موت کے وقت اُس سے ملنے آئے اور نہ جنازہ میں شریک ہوئے اور نہ ماں نے اپنی لڑکی کا دودھ بخشا ؛

ایک مقروض خاندان کا ذکر ہے جس کے ذمہ بہت سا قرضہ ایک اور خاندان کا تھا۔ مقروض خاندان کی ایک لڑکی کا رشتہ دوسرے خاندان میں ہوا۔ ایام نسبت میں لڑکی کے رشتہ داروں پر یہ بات کھل گئی کہ لڑکی اور لڑکے میں بے حد محبت ہے خصوصاً لڑکے کو اس قدر فریفتگی ہے کہ شاید اُس لڑکی کے بغیر جان ہلاک کر دے۔ اس لئے سب بیدردوں نے

صلاح کی کہ قرضہ کی ادائگی کی یہ ہی سبیل ہے کہ معافی قرضہ شرط نکاح ٹھیرائی جائے۔ ادھر لڑکا بدحال ہو رہا تھا اور اُدھر لڑکی رو رو کر ہلاک ہوئی جاتی تھی۔ ڈاکٹروں نے کہہ دیا کہ اس کو سل ہوگیا ہے مگر ماں باپ کا دل بھی پتھر کی سل بن گیا۔ اور سب نے عزم کر لیا کہ خواہ یہ بڈھی ہو جائے مگر اس کا نکاح اِس لڑکے سے نہیں ہونے دینگے تاوقتیکہ ہمارا قرضہ معاف نہ ہو۔ کوئی اُس کو کہتا تھا کہ نکاح کی تجھے کیا ضرورت ہے کیا تیرا روٹی ٹکڑا ہمیں بھاری ہے۔ کوئی کہتا تھا کہ مصلے پر بیٹھی اللہ کو یاد کیا کرو۔ کوئی کہتا تھا کہ ہم تجھ کو مکہ حج کے واسطے لے جائینگے وہاں اللہ کی یاد میں عمر تیر کر دینا۔ اور اُس پر گذرتا تھا جو گذرتا تھا۔ مگر آفرین ہے اُس پاک نہاد نوجوان پر بھی۔ کہتے ہیں کہ اُس نے قرضہ کا بوجھ اپنے ذمہ لیا اور گُل و بلبل کا عقد ہوا۔

غرض نکاح کے جو اصلی اغراض و مقاصد تھے وہ لوگوں کے دلوں سے مِٹ گئے اور ان کی جگہ لوگوں کے دلوں میں جھوٹے اصول اور رکیک خواہشیں متمکن ہوگئی ہیں۔ اس لئے اُن اغراض و مقاصد کی تکمیل کے جو طریقے تھے اُن کی پیروی کی بھی کچھ ضرورت نہ رہی اور لوگ نکاح کے باب میں بالکل غلط راہوں پر پڑ گئے اور گمراہ ہوگئے اور اس گمراہی سے جو خرابیاں پیدا ہونی ضرور تھیں وہ پیدا ہو رہی ہیں۔ ہر ایک گھر میں نااتفاقی اور بغض اور لڑائی جھگڑے کا بیج بویا گیا ہے جو اپنا قدرتی پھل لا رہا ہے اور لائیگا۔ ان جھگڑوں سے ہزاروں شریفوں کے گھرانے جو حقیقی راحت و شادمانی کی تصویر ہوتے اور بے انتہا محبت و خوشی کے مرجع بنتے بدترین کدورتوں اور دل آزاریوں کے نمونے ٹھیرے ہیں۔ اور ان گھرانوں کو رات دن وہ بے لطفیاں اور ناچاقیاں گھیرے رہتی ہیں کہ نکاح تمام خاندانی فسادوں کی جڑ اور تمام تنازعات کی اصل

قرار پاگیا ہے ❊

مجھے ایک شریف خاندان کے نکاح میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔ بارات لڑکی والوں کے
ہاں جا پہنچی تھی۔ نکاح کا وقت آگیا تھا۔ قاضی کی آمد کا انتظار تھا کہ کسی خبر کرنے والے نے دولھا کو
خبر لا کر دی کہ وہ لڑکی جس کو تم تمام دنیا میں سے اپنے واسطے عمر بھر کے لئے مونس غمخوار منتخب
کرنا چاہتے ہو وہ محض ناخواندہ اور چیچک رو اور ایک آنکھ سے کانی ہے۔ دولھا نے تمام عمر کی
تکلیف میں پڑنے اور اُس کی تلخیاں چکھنے کی نسبت اس وقت کی لحظہ بھر کی بے شرمی کی ذلت کو
گوارا کر کے عزم مصمم کر لیا کہ میں اس کانی دولھن کو منظور نہ کرونگا۔ بڑے بوڑھے لوگوں کو جنھوں نے
بڑی چھان بین سے اچھی ہڈی کی دولھن چھانٹی تھی سخت تشویش پیدا ہوئی۔ آخر ش اپنے
اپنے خیالات کے بموجب دولھا کی دلجوئی کرنی شروع کی۔ کسی نے کہا بھائی تم ابھی بچے ہو۔ بیوی
کی شکل صورت نہیں دیکھتے۔ بیوی کی سیرۃ دیکھنی چاہئے۔ کسی نے کہا میاں لڑکے کیسے غضب کی
بات ہے کہ تم کنوارے ہو کر بیاہ کے معاملہ میں اپنی زبان سے بولتے ہو۔ ایک اور بولے ارے
میاں یہ کون مشکل کی بات ہے۔ ماں باپ کی اطاعت فرض ہے۔ اگر تم کو یہ بیوی پسند نہ آئی
تو اپنے پسند کی اور کر لینا۔ جو خدا نے مقدور دیا تو دو کر لینا۔ تین کر لینا۔ چار کر لینا۔ ان سے بھی
ہوس پوری نہ ہوئی تو طلاق دے کر ان کو ادل بدل کرتے رہنا۔ ہم ذمہ وار بنتے ہیں کہ جیسی
خوبصورت بی بی چاہو گے ہم تم کو ڈھونڈ دینگے۔ غرض وہ بیچارہ دم میں آگیا اور قاضی کے آگے
جا بیٹھا۔ اور قبول کیا کا بول مُنہ سے نکلنا تھا کہ عمر بھر کے لئے لاعلاج روگ لگ گیا۔ سمجھانے
والے پلاؤ زردہ کھا کے چلے گئے۔ اب اُس بیچارہ میں نہ اس قدر استطاعت ہے کہ دوسرا نکاح

کر سکے۔ نہ اس قدر مقدور کہ پہلی بیوی کا مہر ادا کر کے اُس سے مخلصی پائے قہر درویش بر جان درویش عجب بلا میں مبتلا ہے۔ وہ مظلوم لڑکی نہ بیوی ہے نہ مطلقہ بلکہ معلقہ۔ اور وہ بے گناہ سوچتی ہے اور خدا کے آگے رو رو کر التجا کرتی ہے کہ یا الٰہی میرا اس معاملہ میں کیا قصور ہے۔ آرسی مصحف کے سوا میرے شوہر نے میری شکل نہیں دیکھی کہ میں اُس کی خدمت کرتی۔ مجھے کبھی اپنے شوہر کے پاس لحظہ بھر بیٹھنے کی اجازت نہیں ملی کہ میں اپنے بے کئے اور نا معلوم تقصیروں کی معافی مانگتی۔ اے مقلب القلوب تو میرے شوہر کا دل نرم کر کہ وہ مجھ غمزدہ اور ستم رسیدہ کو اپنی ادنےٰ ترین باندی سمجھ کر موقع خدمتگزاری کا دیں۔ میں نہیں جانتا جن عقل کے اندھے والدین نے اپنی بیٹی کی زشت روئی چھپانے میں کوشش کی اور جہاں تک ہو سکا اُس کو حسین و قبول صورت ظاہر کرنا چاہا اُن کو اپنی لخت جگر کے ایسے نکاح سے کیا خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ اسی طرح جن کوتاہ اندیشوں اور نالائقوں نے دولھا کو خلاف مرضی پھسلا بہلا کر جال میں ایک مرتبہ پھنسانا کافی سمجھا وہ خود اپنے جگر گوشہ کی تلخکامی اور بہو کی ناشاد زندگانی سے کیا دلشاد ہوتے ہونگے۔

میرے ایک اور بدنصیب نوجوان دوست ہیں جنھیں خدا نے اپنے فضل سے علم دولت صحت ناموری خاندانی پاکیزگی خیالات ہر دلعزیزی سب کچھ عنایت کیا۔ مگر عمر بھر کا رفیق دل پسند نہ ملا۔ گو اُس بدنصیب جوان نے بے شرم ہو کر اپنی دل پسند جگہ بھی بتلا دی مگر سُنتے ہیں کہ وہ لڑکی کے امتحان میں پوری نہ نکلنے کی وجہ سے اور اُس کے ہمراہ بہت بیش بہا جہیز آنے کی امید نہ ہونے سے خاندان کے بڑے بوڑھوں نے کپڑوں کے چمکیلے جوڑوں اور گراں بہا طلائی زیوروں کے مقابلہ میں اپنے نور دیدہ کی دل شکنی کو جس کو وہ اپنی خوش فہمی سے لحظہ بھر کی ناخوشی اور

بچپن کی ضد سمجھتے تھے گوارا کیا۔ آخر وہ حرماں نصیب جس کو یہ بھی مشکل پیش آئی ہے کہ وہ ازدواج ثانی کو مشروط بعدل سمجھتا اور اِس شرط کا ایفاء ناممکن جانتا ہے سخت یاس وحسرت میں گرفتار اور رنج ومحن میں مبتلا ہے نہ یارائے شکیبائی نہ طریق رہائی یاس وحسرت کے اشعار پڑھنا۔ سرد آہیں بھرنا۔ ہر وقت غمگین اور اوداس رہنا۔ عمر بھر کے لئے امید کی خوشی سے محروم ہو جانا نوجوانی میں کیسی آفت ہے۔ بیٹے کو دولھن سے ناخوش دیکھ کر ماں باپ کا دن رات دل جلتا ہے۔ مگر یہ جگر خراش رنج اور لاعلاج خرابیاں دوسرے ماں باپوں کو کچھ عبرت نہیں دیتیں اور نکاح کے طریق میں کوئی اصلاح عمل میں نہیں آتی۔ وہ مظلوم غمزدہ لڑکیاں جن کو ماں باپ نے دنیا کے کتے بن کر چند روزہ دنیا کی نعمت کے لالچ سے گھر سے دھکیل دیا۔ جن کے شوہروں نے اس نالایقی کے قصور میں کہ اُن کے ماں باپ نے شرع کی صریحًا مخالفت کر کے اُن کی سچی رضامندی حاصل کرنے کے بغیر اُن کا نکاح کر دیا کبھی آنکھ اُٹھا کر اُن لڑکیوں کو نہیں دیکھا جن کی ساری عمر اپنی قسمت پر رونے اور اپنی بدقسمتی سے اپنے ماں باپ کو رولانے میں گذری دوسرے ماں باپوں کو کچھ سبق نہیں دیتیں۔ غلطی پر غلطی کی جاتی ہے۔ اور لڑکیوں کو جان بوجھ کر جان سے مارا جاتا ہے۔

یہاں تک ہم نے جو کچھ کہا وہ اُن خرابیوں کی نسبت تھا جو نکاح میں شوہر کی پوری پوری آزادانہ رضامندی حاصل نہ کرنے سے پیدا ہوتی ہیں مگر اسی قدر اس کے مقابل میں وہ خرابیاں ہیں جو نکاح میں عورت کی پوری پوری آزادانہ رضامندی حاصل نہ کرنے سے پیدا ہو سکتی ہیں۔ مگر عورات کے حقوق ہمارے ملک میں ایسے دبائے گئے ہیں کہ اُن کو خود اپنے حقوق کا دعوے بلکہ خیال تک کرنے کی جرأت نہیں رہی۔ عورتیں اپنے تئیں نہایت خوش قسمت جانتی ہیں اگر شوہر اُن کے

ہمراہ سیدھے منہ سے بولیں۔ وہ نہیں چاہتیں کہ اپنی پسند کے اختیار کو استعمال میں لاکر شوہروں پر نکتہ چینی کریں۔ لیکن خواہ وہ کیسی ہی تابعداری واطاعت وخدمتگزاری کیوں نہ کریں دلی رغبت اور محبت اختیاری امر نہیں ہے۔ پس جو لوگ عورتوں کا قدرتی اختیار چھیننا اور اُن کی ظاہری اطاعت وفرمانبرداری وغمخواری کو محبت پر محمول کرنا پسند کرتے ہیں اُن کو یاد رہے کہ اس زبردستی کا لازمی نتیجہ خود اُن کے حق میں مفید نہ ہوگا یعنے وہ سچا اُنس وخلوص اور وہ مقام محبت کا جسے ایک روح اور دو جسم ہوجانے سے تعبیر کرتے ہیں کبھی نصیب نہ ہوگا اور وہ اُس حقیقی نکاح کا جو خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں میں منظور ہے ہرگز حظ ولطف نہ اُٹھا سکینگے۔

ہزاروں شریف نوجوان ملینگے جن کی بیبیاں نہایت حسین اور تعلیم یافتہ اور سلیقہ مند ہیں اور اپنے شوہروں کی اطاعت اور فرمانبرداری اور انتظام خانہ داری سب کچھ کمال خوش سلیقگی سے کرتی ہیں مگر ہم اُن نوجوانوں کو آوارہ اور فسق وفجور میں مبتلا پاتے ہیں۔ اس کی وجہ بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ تعلیم اور تربیت اور نیک صحبت نے جو کچھ فرایض زوجیت لڑکیوں کو سکھائے اُن سب پر وہ لڑکیاں پورا عمل کرتی ہیں اور جتنے اختیاری امور ہیں اُن میں وہ اپنے شوہروں پر ملال نہیں آنے دیتیں مگر سچا اخلاص اور پیار جس سے وہ حالت پیدا ہوتی ہے کہ من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی اُس پر تعلیم وتربیت کی حکومت نہیں۔ وہ سچا پیار واخلاص کرنا چاہتی ہیں مگر نہیں کرسکتیں کہ وہ اُن کی طاقت سے خارج ہے۔ پس وہ نوجوان ان تمام ظاہری خوشیوں میں ایک ایسی شے کی افسوسناک کمی پاتا ہے جس کو بے اختیار اُس کا دل ڈھونڈتا ہے اور وہ نہیں ملتی۔ پس قطع نظر

اس بات کے کہ انصافاً وطبعاً عورات کو اپنے شوہروں کے انتخاب کا ویسا ہی اختیار ملنا
چاہیئے جیسا مردوں کو۔ اگر عورات کو یہ اختیار نہ دیا جائے تو اِس کا اثر بھی مردوں پر ہی منعکس ہوتا
ہے اور نہایت اہم غرض جو نکاح سے تھی یعنے حصول عفّت و پاکیزگیٔ نفس وہ فوت ہوجاتی
ہے۔ اگر بیوی اپنی محبت صرف روٹی ٹکڑا کھلا دینے گھر بار کا عمدہ ترین بندوبست کرنے اور
دردمیں ہمدردی کرنے پر محدود رکھتی ہے اور اُس میں محبت و اُلفت کی وہ ادائیں نہیں جو شوہروں
کے دل کو اپنے میں اس طرح جذب کرلیں کہ وہ کسی اور جگہ بھٹکتا نہ پھرے اور اُن میں وہ انداز
محبوبیت نہیں پایا جاتا جسے درحقیقت مرد کا عمر بھر کے لئے عورت کے لئے مخصوص ہوجانا
اور عورت کا مرد کے لئے مخصوص ہوجانا ممکن ہو جو اصل مقصد و معنی نکاح ہے تو وہ نکاح
نہ صرف فضول ہے بلکہ گناہ ہے کیونکہ غیر نکاح کی حالت میں صرف ایک بدکاری کا گناہ ہوتا
اور نکاح کی حالت میں بدکاری کے گناہ کے سوا سخت بے ایمانی کا جو عورت کی حق تلفی سے
مراد ہے علیٰحدہ گناہ ہے۔ اسی واسطے شارع علیہ السلام نے بدکاری کی سزا جو غیر حالت
نکاح میں عمل میں آئے سو تازیانہ مقرر کی ہے لیکن اگر نکاح کرکے یعنے اپنے تئیں ایک
عورت کے لئے مخصوص کرنے کا معاہدہ کرکے پھر بدکاری کرے تو وہ پاجی بدکار خداوند تعالیٰ
کی نظر میں اس قابل نہیں رہتا کہ دنیا میں رہے بلکہ اُس کو فوراً سنگسار کرنا واجب ہے۔
مجھے اس امر کے کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ بڑے بڑے جبہ اور عمامے پہننے والے۔ اور
بہت سے تہذیب کے مدعی جو اعلےٰ تعلیم پانے کا فخر حاصل کئے ہوئے ہیں اس قابل
اعتراض بلکہ قابل نفرین طریق نکاح کی بدولت ایسی پلیدی اخلاق میں ڈوبے ہوئے

ہیں کہ اگر اُن کے سینوں کا کھولنا اور اُن کے مافی الضمیر کا پڑھ لینا ممکن ہو تو وہ سنگسار ہونے کے قابل نکلیں۔ ان تمام خرابیوں کی بنیاد اس امر پر ہے کہ عورت و مرد کو نکاح کے لئے ایک دوسرے کے انتخاب کی آزادی نہیں دی جاتی بلکہ اُن کو اپنی پسند کی بجائے دوسروں کی پسند پر مجبور کیا جاتا ہے جو بالکل خلاف طبع ہے۔ صرف یہ ہی نہیں کہ عورت سے اختیار پسندیدگی شوہر چھین لیا گیا ہے بلکہ حُکم شرعی کو جس کے رو سے ایجاب و قبول کا ہونا ضروری ہے لغو سمجھ کر عورت کے مُنہ سے الفاظ متضمن رضامندی کا باضابطہ طور پر ادا کروانا ہی لغو سمجھا ہے اور احکام فقہ کو ایک مضحکہ بنایا ہے۔ یہ سچ ہے کہ احکام فقہ و حدیث کے رو سے عورت کا سکوت اُس کی رضامندی پر محمول ہوتا ہے۔ مگر اس قاعدہ کی بنیاد صرف عرف عام پر ہے۔ اگر کسی قوم کی نسبت یہ علانیہ معلوم ہو کہ اُن میں سکوت علامت نارضامندی ہے تو وہاں یہ قاعدہ نہیں چل سکتا۔ علےٰ ہذا القیاس جہاں لڑکی کے وارثوں اور اقربا کو یقین ہو کہ یہ سکوت محض بوجہ فرط حیا ہے اور اگر لڑکی کو رشتہ مجوزہ منظور نہ بھی ہو تب بھی وہ بوجہ حیا ہرگز اظہار نارضامندی نہیں کرنے کی یعنے جن مواقع میں سکوت قبولیت و انکار ہر دو پر محمول ہو سکتا ہو اُن حالات میں سکوت کو بلا کسی وجہ کے خاص رضامندی کی علامت قرار دے لینا شریعت کے ساتھ بے ادبی و گستاخی کرنا ہے۔ اس رائے میں ہم منفرد نہیں رہے ہیں بلکہ اپنے بھائی مالکیوں کو اس مسئلہ میں اپنا ہمخیال پاتے ہیں جیسا کہ فتح الباری میں لکھا ہے کہ جب لڑکی

اختلفوا فیما اذا لم تتکلم بل ظہرت منہا قرینۃ السخط او الرضا بالتبسم مثلاً	چپ ہو جائے اور چپ ہونے کے ساتھ کوئی قرینہ ایسا پایا جائے جس سے لڑکی کی ناراضگی ظاہر ہو

او البکاء فعند المالکیۃ ان نفرت او بکت او قامت او ظہر منہا ما یدل علی الکراھۃ لم تزوج وفرق بعض الشافعیۃ بین الدمع فان کان حارا دل علی المنع وان کان باردا دل علی الرضا۔ فتح الباری

مثلاً وہ نکاح مجوزہ کے لئے بیٹھنا بھی گوارا نکرے اور وہاں سے اُٹھ کھڑی ہو یا آبدیدہ ہو یا اور کوئی علامت رنجش کی ظاہر کرے تو نکاح نہیں ہوگا۔

لطیفہ۔ خدا مغفرت کرے ہمارے بعض علمائے شافعیہ پر جو اپنی نازک خیالی کا ایک عجیب نمونہ اس مسئلہ میں چھوڑ گئے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ اگر لڑکی آبدیدہ ہو تو دیکھنا چاہئے کہ اُس کے آنسو گرم ہیں یا سرد۔ اگر گرم ہوں تو نکاح نہیں کرنا چاہئے اور اگر سرد ہوں تو اس کو علامت رضامندی سمجھنا چاہئے۔ اگر اُس زمانہ میں تھرمامیٹر ہوتے تو اِن دانشمندوں سے کچھ بعید نہ تھا کہ آنسوؤں کی بجائے تھرمامیٹر سے گرمی سردی معلوم کرکے نکاح کے جواز و عدم جواز کا فیصلہ کیا کرتے۔

کیا عورت کی رضامندی حاصل کرنے کے یہی معنے نہیں ہیں کہ اُسے اس قسم کا اختیار دیا جائے کہ اگر وہ رضامند ہے تو اپنی رضامندی کا اظہار کردے اور اگر نارضامند ہے تو بلاخوف و تامل نارضامندی کا اظہار کردے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ جب اس قسم کا اختیار عورت کو دیا جائیگا تو پوچھنے والے کو اُس کی طرف سے ہاں اور ناں کی یکساں توقع رہیگی لیکن کوئی ہمیں بتادے وہ کون سے ماں باپ ہیں جو اپنی بیٹی سے اظہار رضامندی لینے لینے گئے اور اُن کو اُس کی طرف سے انکار کی بھی اُتنی ہی توقع تھی جتنی ایجاب کی اور وہ اُس کے انکار سے بھی اُسی قدر خوش رہتے جس قدر اُس کے ایجاب سے۔ پس اگر اس قسم کا

اختیار لڑکی کو نہیں دیا جاتا تو وہ نکاح شرعی ایجاب وقبول سے خالی رہیگا اور سکوت بمنزلہ رضامندی نہیں سمجھا جائیگا - اور شرعاً وہ نکاح صحیح نہ ہوگا - ایسے نکاح آنحضرت صلعم کے عہد مبارک میں بھی ہوئے اور ناجایز قرار دئے گئے چنانچہ ہم دو مثالیں اس مقام پر لکھتے ہیں - عائشہ

عن عائشة ان فتاة دخلت عليها وقالت ان ابي زوجني اخيه ليرفع به خسيسته وانا كارهة فقالت اجلسي حتى يأتي النبي صلى الله عليه وسلم فجاء رسول الله واخبرته فارسل الى ابيها فدعاه فجعل الامر اليها فقالت يا رسول الله قد اجزت ما صنع ابي ولكن اردت ان اعلم ان للنساء من الامر شيء :

کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک نوجوان لڑکی آئی اور کہنے لگی کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے میرا نکاح کر دیا ہے حالانکہ میرا دل اُس کو پسند نہ کرتا تھا - حضرت عائشہ بولیں کہ ذرا بیٹھ جا کہ آنحضرت تشریف لے آئیں - چنانچہ آپ تشریف لائے اُس لڑکی نے اپنا قصہ سُنایا - آپ نے اُس کے باپ کو طلب کیا - اور کہا کہ اس نکاح کا قایم رہنا یا نہ رہنا اس لڑکی کی خوشی پر منحصر ہے - لڑکی نے کہا یا رسول اللہ مجھے اپنے باپ کا کیا منظور ہے لیکن میں نے یہ سب کچھ اس واسطے کیا ہے تا کہ سب کو معلوم ہو جائے کہ عورتوں کا حق بھی کوئی شے ہے ؛

عن ابن عمر قال توفي عثمان بن مظعون وترك ابنة له من خولة بنت حكيم واوصى الى اخيه قدامة ابن مظعون قال عبد الله وهما خالاي فخطبت الى قدامة ابنة عثمان فزوجنيها - ودخل مغيرة ابن شعبة يعني الى امها فارغبها في المال فخطبت

ابن عمر کہتے ہیں کہ عثمان ابن مظعون مرگیا اور اُس نے ایک بیٹی چھوڑی اور اُس کے نکاح

اليه وحطت الجارية الى هوى امها فابتا حتى ارتفع امرهما الى رسول الله فقال قدامة يا رسول الله ابنة اخى اوصى بها الى فزوجتها ابن عمتها فلم اقصر بها فى الصلاح ولا فى الكفاءة ولكنها امرأة وانما حطت الى هوى امها۔ قال فقال رسول الله صلعم هى يتيمة ولا تنكح الا باذنها قال فانتزعت والله منى بعد ان ملكتها فزوجوها المغيرة ابن شعبة رواه احمد ودارقطنى (نيل الاوطار)

کی بابت اپنے بھائی قدامہ کو اختیار دیا۔ عثمان اور قدامہ دونوں ابن عمر کے ماموں تھے۔ ابن عمر نے قدامہ سے اُس کی بھتیجی کے لئے خواستگاری کی چنانچہ اُس نے اُس لڑکی کا نکاح ابن عمر سے کر دیا۔ اِس کے بعد مغیرہ ابن شعبہ لڑکی کی ماں کے پاس گیا۔ اور مال کا لالچ دیا۔ چنانچہ ماں کی رائے پھر گئی اور ماں کے ساتھ لڑکی کی بھی۔ آخر دونو نکاح سے منکر ہو گئے۔ یہ معاملہ رسول اللہ کے پاس پہنچا۔ قدامہ نے کہا کہ یہ لڑکی میری بھتیجی ہے اس کے باپ نے وصیت کی تھی کہ میں اس کا نکاح کر دوں۔ سو میں نے اس کا نکاح اس کے پھوپھی زاد بھائی (ابن عمر) سے کر دیا۔ میں نے اس کی بہتری میں کوئی کوتاہی نہیں کی۔ اور لڑکا اس کا ہم کفو بھی ہے۔ لیکن آخر یہ عورت ہے اور ماں کی طرفدار ہے۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ دیکھو یہ یتیم ہے اِس کا نکاح اسی کی خوشی پر ہونا چاہئے۔ ابن عمر کہتے ہیں کہ وہ مجھ سے چھین لی گئی۔ حالانکہ خدا کی قسم وہ پورے طور سے میری ملکیت میں آ چکی تھی پھر اُس کا نکاح مغیرہ ابن شعبہ سے کر دیا + (نیل الاوطار)

کیسے افسوس کی بات ہے کہ رسم و رواج اور اپنے فرضی ناموس کے قایم رکھنے کے لئے شریعت مصطفوی کو پامال کیا جاتا ہے۔ خدا اور رسول کے ساتھ ٹھٹے اور دغا بازیاں کی جاتی ہیں۔

اور خدا کے محکمہ کو دنیا کے اُن ذلیل محکموں کی سطح پر لانا چاہتے ہیں جہاں قانون کے معنی کی نسبت زیادہ تر اُس کے الفاظ پر بحث ہوتی ہے۔ پس اُس علام الغیوب نیتوں کے جاننے والے کے آگے کیا جواب دوگے جو جانتا ہے کہ سکوت سے سکوت والے کی نیت کیا ہے اور پوچھنے والے کی نیت کیا ہے۔ ہمیں کوئی بتادے کہ لاکھوں کروڑوں نکاحوں میں جو ہر روز ہوتے ہیں اتنی کیسی مثالیں ہیں جن میں کسی نے یہ بھی کہا ہو کہ مجھے قبول نہیں۔ اگر ایسے سوال کو جس کے جواب میں ہمیشہ ایجاب کی توقع رکھی جاتی ہے۔ اور فی الواقع ایجابی جواب ملتا ہے۔ اور سب جانتے ہیں کہ یہ موقع کسی اور قسم کے جواب کا نہیں اور تمام تیاریاں بیاہ کی اس یقین پر کرلی جاتی ہیں کہ جواب ایجابی ہی دیا جائیگا اگر ایسے سوال کو اختیار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے تو یہ لفظ کا بالکل غلط استعمال ہے +

لیکن سب سے سخت مشکل یہ ہے کہ اگر اس قسم کا پورا اختیار عورت کو دے بھی دیا جائے تو وہ بیچاری ایک شخص کو کس طرح اچھا یا بُرا کہہ سکتی ہے جبکہ اُس نے اُس کو دیکھا تک نہیں اُس کی عادات و اطوار سے واقفیت حاصل نہیں کی۔ وہ نہیں جانتی کہ اُس کی خو بو کیسی ہے۔ اور وہ اُس کے ہمراہ کس قسم کا سلوک کریگا۔ پس عورت کو اختیار ملنے کی صورت میں بھی فقط اس مختصر امر کی بنا پر کہ فلاں شخص فلانے شخص کا بیٹا ہے اور اس عمر کا ہے وہ زندگی بھر کے معاملات پیچیدہ کے لئے اُس کو کس طرح منتخب کرسکتی ہے +

اس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی خرابی کی اصل بنیاد یہی پردہ خلاف شرع ہے جس کے رو سے فریقین ازدواج کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھ کر جوے کے طور پر قسمت کے بھروسہ

پر ایک کام کیا جاتا ہے جو ممکن ہے کہ موجب شادمانی و کامرانی ہو اور ممکن ہے کہ عمر بھر کے لئے عذاب جان اور موجب یاس و حرمان ہو۔

کیسے غضب اور افسوس اور شرم کی بات ہے کہ ایک لڑکی کو کپڑوں میں لپیٹ لپاٹ اور اُس کی صورت شکل سیرۃ تمام حالات چھپا کر جوے کی بازی پر لگانا کہ لو اس لڑکی کو خواہ اندھی ہو۔ کانڑی ہو۔ لنگڑی ہو لولی ہو منظور کرتے ہو۔ دوسرا شخص کہتا ہے کہ ہاں منظور ہے۔ قسمت کا پاسہ ڈالا جاتا ہے اور عمر بھر کی خوشی یا رنج اُس پاسہ کے نتیجہ پر موقوف ہے۔ کوئی اس سے زیادہ بیہودہ اور لغو طریق نکاح خیال میں آسکتا ہے؟

اصول نکاح کو تو خراب کیا ہی تھا اس تقریب کے رسوم کو جن سے سراسر خوشی و مسرت کا اظہار ہونا چاہیئے تھا اور بھی ایسا بھدا اور بدنما بنایا ہے کہ اُس سے بدتر رسوم بھی خیال میں آنی مشکل ہیں۔ لڑکی کا مایوں میں بیٹھنا اور تاریخ نکاح تک بالتخصیص غلیظ و میلی زندگی بسر کرنا۔ سُسرال میں جا کر بیمار اپاہج کی طرح دوسروں کی گود میں اُتارا جانا۔ آنکھیں بند کر کے گردن جُھکا کے دن بھر بیٹھنا۔ حتےٰ المقدور فاقہ کرنا۔ کھانا کھانا تو دوسرے کے ہاتھ سے۔ جاے ضرور جانا تو دوسروں کی گود میں سوار ہو کر۔ بھلا کوئی انسان کہہ سکتا ہے کہ یہ اُس خوشی کے اظہار کی علامتیں ہیں جو زندگی میں سب سے بڑھ کر خوشی ہے کیا یہ اپاہج۔ قریب المرگ۔ مایوس العلاج بیمار کا سوانگ نہیں ہے۔ نعوذ باللہ منہا۔ کوئی خوش نصیب صحتور لڑکی ایسی ہوگی جو اس کڑی ازمایش میں بے بیمار ہوئے رہے۔ پھر ان بیہودہ رسوم کی ترقی دینے والی نالایق عورتیں بیچاری نو عمر لڑکیوں کو عجیب عجیب حکائتیں سُنا کر ان بیہودگیوں کی برداشت کی عادت ڈالتی ہیں۔ کوئی

کہتی ہے کہ ایک بہو کی پیٹھ پر کنکھجورا چڑھگیا اور اُس کے جسم کے اندر اپنے پانؤ گڑو کر گھس گیا مگر دولھن نے اُف نہ کی۔ کوئی کہتی ہے کہ ایک بہو کے پاس سے جب عورتیں علیحدہ ہوئیں تو اُس نے نائن کو کہا کہ بی دیکھنا میرے کندھے میں کسی نے کاٹا ہے۔ میں بیبیوں کے شرم سے ہل جُل نہ سکی۔ دیکھا تو ایک زہریلا بچھو کندھے پر ڈنک مار رہا تھا۔ ایک دولھن کا ذکر ہے کہ اُس کو میکہ میں زیور پہنار ہے تھے اور وہ بے حس و بے حرکت بیٹھی تھی۔ پہنانے والی نے بالیاں پہناتے ہوئے نہ دیکھا کہ کان کتنے بندھے ہیں اور عورتوں کے ساتھ باتیں چیتیں کرتے بغیر دیکھے بھالے کان میں بلا سوراخ بالی گھُسانی شروع کردی اور جب اُس کا اپنا ہاتھ خون سے تر ہوا تو معلوم ہوا کہ اُس بے زبان لڑکی پر کیا ظلم کیا۔ یہ تمام لغویات جو صحت کے لئے مضر، شریعت کے مخالف۔ دیکھنے سُننے میں قابل نفرین ہیں قطعاً موقوف ہونی ضرور ہیں اور نکاح کو اپنی اصلی صورت شرعی پر لانا اور اُس کا اعلان چند خوشی کے نشانوں سے کرنا کافی ہے۔ دولھن کے جہیز کو لوگوں میں دکھانے کا طریق بھی جو نہایت خلاف تہذیب و شایستگی ہے بند کرنا چاہئے۔ ہماری رائے میں نکاح کے طریق کی درستگی اور آسانی کے لئے مفصلۂ ذیل تجاویز قابل غور ہیں۔

(۱)۔ طبقۂ شرفا میں جو بالغہ اور قابل ازدواج لڑکیوں کو بیاہ شادیوں کی تقریبوں میں نہ لے جانے کا عام دستور ہے اُس کو بند کرکے اُن کو اپنی بہنوں اور ماؤں کے ہمراہ ان تقریبات میں شامل ہونے کی اجازت دی جائے۔ اس سے تین فایدہ ہوں گے اول یہ کہ کنبہ اور برادری کی عورتیں اُس لڑکی کو دیکھ کر اور بات چیت کرکر اُس کی صورت و سیرۃ کی نسبت

ٹھیک رائے قایم کر سکینگی اور جس لڑکے سے اُس کا رشتہ قرار پائے اُس کو اُس لڑکی کے حالات زیادہ وضاحت اور صحت اور وثوق سے معلوم ہو سکینگے۔ دوم یہ کہ لڑکی کے والدین لڑکی کی تربیت میں خاص کوشش کیا کرینگے اور اُس کی حرکات و سکنات میں کوئی ایسا امر پیدا نہ ہونے دینگے جو اور بیبیوں کی نظر میں قابل اعتراض ہو۔ سوم لڑکیوں کی صورت شکل یا سیرۃ میں بعض ایسے امور ہوتے ہیں جن کو اُن کے والدین مخفی رکھنے کی کوشش کرتے ہیں اور بعد نکاح وہ امور ظاہر ہو کر باعث ناموافقت زوجین ہوتے ہیں۔ اُن کے اول ہی ظاہر ہو جانے سے بعد کی خرابیوں کا انسداد ہو جائیگا۔ ماں باپ کا یہ نہایت ہی غلط خیال ہے کہ کسی طرح لڑکی کا جھوٹی سچی باتیں بنا کر نکاح ہو جائے۔ پھر میاں بی بی کو جب آپس میں رہنا سہنا ہو گا آپ ہی موافقت ہو جائیگی۔ یہ خیال اکثر صورتوں میں نوجوان بیٹوں کی ضد اور ہٹ کا موجب اور خاندانی تنازعات کا مورث ہوتا ہے۔

۲۔ لڑکی والوں کو مناسب ہے کہ جس کنبہ میں اِن کی لڑکی کی بات چیت ہونے والی ہو اُن کے ہاں کی بیبیوں کو اپنے ہاں بُلانے اور لڑکی کو اُن کے روبرو ہونے دینے اور چند چند روز اپنے ہاں بطور مہمان ٹھیرانے اور لڑکی کی عادات سے واقفیت پیدا کرنے کا دستور نکالا جائے۔ یہ زیادہ مکمل صورت پہلی ترمیم کی ہے۔ مگر ایسی ملاقاتوں میں جب تک بات پختہ نہ ہو جائے اور لڑکے کو صحیح صحیح بلا مبالغہ حالات بتا کر پوری پوری رضامندی نہ لے لی جائے تب تک رشتہ کا زبانی ذکر نہیں آنا چاہیئے تاکہ بصورت اس امر کے کہ لڑکا انکار کرے لڑکی والوں کو سُبکی اور ندامت نہ ہو۔ یہ ملاقاتیں معمولی محبت کی ملاقاتیں ہوں اور اُن کے عمل میں

آنے کے واسطے بہتیرے موقع پیدا کئے جا سکتے ہیں۔ کچھ بھی موقع نہ ہو تو مجلس مولود ایسی چیز ہے جس کے لئے ہر مسلمان کو اپنے احباب کو جمع کرنا آسان ہے ؀

۳۔ اگر لڑکی لکھی پڑھی ہو تو اُس کے ہاتھ کی نستعلیق تحریر لڑکے کو دکھانی بالکل بے عیب اور کسی طرح نامناسب نہیں ہے ؀

۴۔ اگر بلحاظ موقع مکان یا حالت آمد و رفت یا دیگر حالات کے ایسا موقع ملنا ممکن ہو کہ لڑکا لڑکی پر ایسی حالت میں کہ لڑکی کو معلوم نہ ہو سرسری نظر ڈال سکے تو لڑکی کے والدین کو دیدہ و دانستہ اغماض کرنا بلکہ ایسا موقع پیدا کرنے میں مدد دینا چاہیئے۔ ہم پردہ کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ شرع نے پردہ کہاں تک لازم ٹھیرایا ہے اور خصوصاً کسی شخص کا کسی عورت کو بارادہ نکاح دیکھنا شرعاً نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ پس والدین اگر اس قدر بھی جائز رکھیں تو کوئی شرعاً ممانعت نہیں ہے۔ لیکن چونکہ رواج اس قدر اس کے مخالف ہے کہ اُس کو یک لخت توڑنا ناممکن ہے تو اُس کے لئے فی الحال اس سے بہتر کچھ نہیں ہو سکتا کہ غیر صریح طور پر اُس کو قریب قریب شرعی طریق کے لادیں اور والدین اُس سے اغماض و تجاہل کریں۔ اس تجویز کی ضرور لوگ مخالفت کرینگے مگر ہم یقین دلاتے ہیں کہ ہماری سب تجویزوں میں سب سے اعلےٰ اور اہم یہ ہی ہے اور اگر اس پر عملدرآمد ہوگا تو نہ صرف تمام خرابیوں کی جڑ کٹ جائیگی بلکہ نکاح اپنی اصلی صورت شرعی پر آجائیگا جیسی شارع علیہ السلام نے تجویز فرمائی ؀

۵۔ جو لوگ اپنے گھروں میں بطور تفریح (فوٹو یعنی) تصویر عکسی کا سامان رکھتے ہیں

اور اُنہوں نے اس فن میں مہارت پیدا کی ہے اور اس فن کی تکمیل کو جایز رکھتے ہوں وہ ایسے حالات میں تصویر سے بھی مدد دے سکتے ہیں۔ میرا یہ منشا نہیں ہے کہ لڑکی کا باپ داماد ہونے والے لڑکے کو بُلا کر اپنی بیٹی کی تصویر دے بلکہ وہ ہی طریق اغماض اختیار کیا جائے۔ یعنے وہ کسی رشتہ دار کے ذریعہ سے لڑکے تک پہنچادے۔ مجھے امید ہے کہ یہ طریق لحاظ کے قایم رکھنے اور مطلب کے باحسن الوجوہ حاصل ہونے میں بہت مدد دیگا۔ رفتہ رفتہ خود ایسے اشخاص پیدا ہو جائینگے جو اس شرعی حکم میں سہولت پیدا کرنا موجب شرم نہ سمجھینگے ٭

۶۔ لڑکی کو بھی اسی طرح لڑکے کے حالات معلوم کرنے اور لڑکے کی اس طرح صورت دکھا دینے میں کہ لڑکے کو خبر نہ ہو مدد دیں اور یہ کام ہمعمر لڑکیوں اور رشتہ کی بہنوں کے ذریعہ سے کئے جائیں۔ اور کوشش کی جائے کہ لڑکی کا اظہار رضامندی کسی قسم کے جبر یا شرم یا لحاظ یا بخوف ناخوشی والدین تو نہیں ہوا ٭

۷۔ لڑکے کے چال چلن کو بخوبی دیکھنا چاہیئے۔ کہ لڑکی کی آیندہ خوشی ناخوشی زیادہ تر اسی پر منحصر ہے اس کی پرتال کے لئے ان امور پر نظر کرنی چاہیئے۔

(۱) لڑکے کے والد و دیگر اقرباء ذکور کا چال چلن کیسا ہے ٭

(۲) لڑکے کے صحبتی کیسے لوگ ہیں ٭

(۳) لڑکا تعلیم یافتہ ہے تو کس قسم کی کتابوں کے مطالعہ کا شوق ہے ٭

(۴) لڑکے کا عام مشغلہ کیا ہے ٭

(۵) شہرت عامہ لڑکے کے چال چلن کی مدرسہ اور محلہ وغیرہ میں کیا ہے ٭

(۶) دیگر مستورات خاندان کے ہمراہ اُس کا سلوک کیسا ہے ۔

ان امور پر ذراسی توجہ کرنے سے سب حال آئینہ ہو سکتا ہے چنانچہ ان امور کی تھوڑی سی تشریح ضروری ہے ۔

(۱) بعض خاندانوں میں موروثی رسم ازدواج ثانی کی چلی آتی ہے اور سب مرد دو دو بیبیاں رکھتے ہیں ایسی صورت میں ہر فرد کی نسبت یہ ہی قیاس ہوگا بجز اس کے کہ قراین قوی اس کے خلاف ہوں ۔ اس واسطے باپ و دیگر رشتہ داران کا چال چلن ملاحظہ کرنا ضرور ہے ۔

(۲) چونکہ ہر شخص اپنے ہمخیال کی صحبت پسند کرتا ہے پس دوستوں کے چال اور خیالات سے قریبًا صحیح پتہ لڑکے کے چال چلن کا لگ جائیگا ۔

(۳) اسی طرح کتابوں سے چال چلن کا پتہ بخوبی لگ جائیگا ۔ آیا اخلاق اور تصوف اور دینداری کی کتابیں پڑھتا رہتا ہے یا ناپاک ناول پسند خاطر ہیں ۔

(۴) دن رات کے مشاغل سے بہت کچھ حال لڑکے کا کھل جاتا ہے ۔ بعض لڑکے اپنے اوقات کبوتر بازی میں صرف کرتے ہیں ۔ بعض دن بھر کنکوے بناتے اور مانجھا تیار کرتے رہتے ہیں بعض شطرنج کی بازی جمائے رہتے ہیں ۔

(۵) چونکہ اچھے کو اچھا اور بُرے کو بُرا سب کہا کرتے ہیں اس واسطے عام شہرت سے بھی بہت حال کھل سکتا ہے ۔

(۶) عام مستورات کے ساتھ سلوک دیکھنا بہت ضروری امر ہے ۔ بعض لڑکے باوجود نیک چلن اور خوش وضع اور تعلیم یافتہ ہونے کے مستورات کی طرف سے قدرتی بے توجہی رکھتے ہیں ۔ اگر

ماں بیمار ہو جائے تو اُن کی بلا سے۔ اور بہن پر مصیبت ہو تو اُن کی جوتی سے۔ ایسے نوجوانوں کو اکثر دیکھا ہے کہ متاہل ہو کر بیوی کے ساتھ کوئی گہری الفت نہیں رکھتے۔ اور اُن کی بیویاں ہمیشہ اُن کے روکھے پن اور بے رُخی کی شاکی پائی جاتی ہیں ؀

۸۔ قبل از منظوری رشتہ لڑکی والوں کو چاہیئے کہ لڑکے کے ذریعۂ معاش کی بابت قطعی یقین حاصل کریں۔ آجکل فی زمانا ذرائع معاش بہت محدود ہو گئے ہیں اور ماں باپ صرف اپنا چاؤ پورا کرنے کے لئے قرض لے لے کر شادیاں کر دیتے ہیں۔ چونکہ لڑکا کوئی مستقل صورت گذارہ نہیں رکھتا اِس لئے کئی طرح کی خرابیاں ظہور میں آتی ہیں۔ اوّل تو بیاہ کی خوشیاں چند روز میں ختم ہو جاتی ہیں اور دولھن پُرانی ہو جاتی ہے۔ اور کنبہ میں ایک آدمی کا خرچ بڑھ جانے کی وجہ سے یہ بوجھ صاف محسوس ہونے لگتا ہے جو بالطبع ناگوار ہوتا ہے۔ لڑکے کا بیکار رہنا جو پہلے والدین کے دل پر چنداں بار نہ تھا اب خاص طور پر موثر ہو کر بیٹے اور بہو سے نامعلوم نفرت پیدا کرنے لگتا ہے ؀ دوم یہ امر کہ کچھ عرصہ گذر جانے سے اور پُرانی ہو جانے سے دولھن کی دیگر مردمان خانہ کے ساتھ خوراک پوشاک میں مساوات ہو جاتی ہے دولھا اور دولھن کے لئے رنجدہ رہتا ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ کسی قسم کا امتیاز قایم رہے۔ سوم۔ بعض اوقات والدین لڑکے پر شُبہ کرتے ہیں کہ وہ اُن سے گذارہ لے کر اپنی سُسرال کو دے دیتا ہے۔ یہ خرابیاں ایسے شدید درجہ کو پہنچ جاتی ہیں کہ بعض وقت اُن کے بد نتائج تمام عمر بلکہ پشتہا پشت تک وراثتاً چلے جاتے ہیں۔ پس ان کے انسداد کے لئے ضرور ہے کہ لڑکی والے لڑکے کے استقلال معاش کی نسبت اطمینان کئے بغیر ہرگز رشتہ قبول نہ

کریں۔ یہ اصلاح من وجہ والدین کو اِس طرف بھی راغب کریگی کہ وہ اُن کے لئے طریق حصول
معاش کا فیصلہ کردیں جو عموماً ہماری قوم میں نہیں کیا جاتا ؛

۹۔ تعین مقدار مہر میں بھی اصلاح ہونی ضرور ہے۔ عام دستور ہو گیا ہے کہ اونٰے اونٰے
حیثیت کے لوگ بے حد مہر مقرر کرتے ہیں۔ بیس بیس چالیس چالیس ہزار روپیہ کا مہر اُن لوگوں
کا ہے جن کی آمدنی پندرہ روپیہ ماہوار کی بھی نہیں۔ اس قدر کثیر التعداد مہر اس غلط فہمی پر
مقرر کیا جاتا ہے کہ اس کے خوف سے طلاق کی روک ہو۔ مگر اس تدبیر سے یہ مقصد حاصل
نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر شوہر کچھ مالی حیثیت نہیں رکھتا تو اُس کو ایسے کثیر التعداد مہر سے کچھ خوف
نہیں ہوتا۔ ایسے شخص پر عدالت سے ڈگری پالینا نہ پانے کے برابر ہے۔ ہاں بیشک جو
شوہر اچھی مالی حیثیت رکھتا ہے اُس کی نسبت یہ توقع ہو سکتی ہے کہ وہ خوف ادائے مہر سے
زوجہ کو طلاق نہ دے۔ مگر ایسے بزرگ بلا طلاق ہی بی بی کو اس قدر دق کرتے اور ستاتے
ہیں کہ اُن مصائب سے طلاق سو درجہ اچھی ہے۔ معہذا مرنے سے پہلے جائداد کے فرضی
ناجایز انتقال کر جاتے ہیں اور بیچاری بیوی مُنہ دیکھتی رہ جاتی ہے۔ بس منع طلاق کے لئے
بڑے مہر کا مقرر ہونا کچھ مفید نہیں ہوتا۔ پھر ان فرضی رقموں کے مقرر کرنے اور اُس پر بحث و
تکرار سے کیا فایدہ۔ ہاں رفع اندیشۂ طلاق بلکہ منع ازدواج ثانی کے لئے سب سے عمدہ ایک
اور تدبیر ہے یعنے یہ کہ بوقت نکاح ایک معاہدہ تحریری منجانب شوہر عمل میں آنا چاہئے اور
اُس میں وہ شرایط درج ہونی چاہئیں جو زوجہ کو منظور ہیں۔ مثلاً بصورت طلاق یا ازدواج
ثانی ایک رقم کثیر بطور تاوان یا ہرجانہ مقرر کی جائے۔ اس طریق عمل کو ہم بہ نسبت زیادہ مہر

مقرر کرنے کے اس وجہ سے ترجیح دیتے ہیں کہ ایسا کرنے سے اولاً بمجرد ٹوٹنے شرایط مقررہ کے زوجہ کو حق نالش حاصل ہو سکتا ہے۔ اور مہر زیادہ ہونے میں شوہر کے ازدواج ثانی سے زوجہ کو یہ حق حاصل نہیں ہو سکتا بلکہ صرف طلاق سے یا بعد موت شوہر یہ حق حاصل ہوتا ہے۔ ثانیاً شوہر کو بھی یہ فایدہ ہوتا ہے کہ اگر اُس کا سلوک اپنی بیوی کے ہمراہ درست ہے تو کوئی خطرہ منجانب والدین زوجہ نہیں رہتا۔ مہر زیادہ ہونے کی صورت میں بعض اوقات بعض بے غیرت اشخاص دامادوں پر ترکۂ دختری کی نالش کرتے ہیں۔ اور اسی اندیشہ سے میاں بیوی میں مہر کے معاف کرنے نہ کرنے کی تکرار رہتی ہے جس سے طبیعتوں میں فرق آجاتا ہے۔ ہاں غور طلب امر یہ ہے کہ ایسے معاہدوں کی بابت شریعت کا کیا حکم ہے۔ سو مرد و عورت میں جو شرایط نکاح قرار پائیں شرعاً اُن کا ایفاء واجب ہے۔ اور درصورت عدم ایفاء فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ یہ حکم آیاتِ قرآنی اور احادیث نبوی سے بخوبی ثابت ہے۔ سورۂ قصص کے ابتدا میں شعیب کا قصہ درج ہے جنھوں نے اپنی دختر کا نکاح موسیٰ سے اس شرط پر کیا تھا کہ وہ آٹھ برس تک اُن کی بکریاں چرائیں۔ موسیٰ نے اس شرط کو تسلیم کیا اور ایفاء کیا۔ اگرچہ یہ حکایت انبیاء سابقین کی ہے الا اصول فقہ میں یہ بات بجائے خود تسلیم ہو چکی ہے کہ جب افعال انبیاء سابقین کا ذکر بلا رد و انکار ہو تو وہ مسلمانوں

قَالَ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ أُنكِحَكَ إِحْدَى ابْنَتَيَّ هَاتَيْنِ عَلَىٰ أَن تَأْجُرَنِي ثَمَانِيَ حِجَجٍ فَإِنْ أَتْمَمْتَ عَشْرًا فَمِنْ عِندِكَ وَمَا أُرِيدُ أَنْ أَشُقَّ عَلَيْكَ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّالِحِينَ قَالَ ذَٰلِكَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ أَيَّمَا الْأَجَلَيْنِ قَضَيْتُ فَلَا عُدْوَانَ عَلَيَّ وَاللَّهُ عَلَىٰ

مانقول وکیل ڈ القصص	کے لئے حجت شرعی بن سکتا ہے ✣

ابوداؤد میں ہے المسلمون علےٰ شروطھم یعنے اہل اسلام اپنی شرطوں پر قایم رہتے ہیں۔ ترمذی نے بھی اور طریق سے اس روایت کو لیا ہے اور اس میں اس قدر فقرہ زیادہ ہے الاشرطا حرم حلالا او احل حراما۔ یعنے مسلمان کو اپنی شرط پوری کرنی چاہئے لیکن اگر کسی حلال چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال کرنے کی شرط کی ہو تو پھر اس کا پورا کرنا لازم نہیں مگر سب سے صریح وہ حدیث ہے جو صحیح بخاری میں آئی ہے اور جس کے الفاظ یہ ہیں کہ سب سے

احق ما اوفیتم من الشروط ان توفوا به ما استحللتم به الفروج

ضروری امر یہ ہے کہ جن شرطوں کے ساتھ شرمگاہ حلال کی جائے اُن شرطوں کو پورا کیا جائے ✣

قال کنت مع عمر حیث تمس رکبتی رکبته فجاء رجل فقال یا امیر المؤمنین تزوجت امراۃ وشرطت لها دارها وان اجمع لامری اولشانی ان انتقل الے ارضی کذا وکذا۔ فقال لها شرطها فقال الرجل هلك الرجل اذا لا تشاء امراۃ ان تطلق زوجها الا طلقت فقال عمر المسلمون علے شروطهم

فتح الباری ۱۲

فتح الباری میں ہے کہ عبدالرحمن بن غنم روایت کرتے ہیں کہ میں عمر کے پاس گھٹنے سے گھٹنا ملائے بیٹھا تھا کہ کوئی شخص آیا اور بولا کہ اے امیرالمومنین میں نے ایک عورت سے نکاح کیا تھا اور یہ شرط کر لی تھی کہ تجھ کو تیرے گھر سے کہیں نہ لے جاؤنگا اور اب میں اس کو فلانی جگہ لے جانا چاہتا ہوں۔ عمر نے جواب دیا کہ تجھ کو اپنی شرط پوری کرنی پڑیگی۔ اس پر وہ شخص یوں بولا کہ بس مرد تو گئے گذرے۔ جو عورت

چاہیگی اپنے خصم کو طلاق دے دیا کریگی۔ عمر نے کہا کہ مسلمانوں کی شرایط ضرور پوری ہونی چاہئیں
بڑے بڑے جلیل القدر صحابی اور تابعی اور ائمہ یہ ہی مذہب رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کے
نام نامی یہ ہیں۔ حضرت عمر فاروق۔ عمر بن العاص۔ طاؤس۔ ابو الشعثاء۔
امام شافعی۔ امام احمد۔ اوزاعی۔ اسحاق وغیرہ ائمہ حدیث امام احمد کا مذہب یہ ہے
کہ اگر شوہر زوجہ سے یہ شرط کرے کہ میں تیرے
ہوتے نکاحِ ثانی نہ کرونگا تو اس شرط کا ایفاء
ضروری ہے اگر یہ شرط پوری نہ ہوگی تو نکاح
ٹوٹ جائیگا۔ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ لایحل ان تنکح امراۃ بطلاق اخری۔ یعنے اس طرح
کا نکاح جایز نہیں کہ ایک عورت یہ شرط کرے کہ اگر تو اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے دے تب
میں نکاح کرتی ہوں۔ چونکہ اوپر کے اقوال سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ شرط ٹھیرانی جایز ہے
کہ شوہر نکاح ثانی نہ کرے اس واسطے بعض علمانے یہ اعتراض پیش کیا ہے کہ ازدواج ثانی
کے نہ کرنے کی شرط اور زوجہ ثانی کے طلاق دینے کی شرط میں کیا فرق ہے کہ وہ جایز ہے اور
یہ ناجایز۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ طلاق کی شرط میں پہلی بیوی کی دل آزاری اور دلشکنی
اور خانہ بربادی اور دشمنوں کی خوشی متصور ہے
اور ازدواج ثانی نہ کرنے کی شرط میں یہ خرابیاں
نہیں ہیں کیونکہ وہاں زوجہ ثانی کا وجود ہی
نہیں۔ پس ان دونو صورتوں میں زمین آسمان

واختلف فی شرط ان یتزوج علیہا فاوجب احمد وغیرہ الوفاء بہ ومتے لم یف بہ فلہا الفسخ عند احمد زاد المعاد

فان قیل فما الفرق بین شرط الطلاق و بین اشتراطہا ان لا یتزوج علیہا حتے صححتم ہذا وبطلتم شرط طلاق الضرۃ قیل الفرق بینہما ان فی اشتراط طلاق

الزوجة من الاضرار بها وكسر قلبها و خراب بيتها و شماتة اعدائها ما ليس في اشتراط عدم نكاحها و انكاح غيرها و قد فرق النص بينهما فقياس احدهما على الآخر فاسد۔ زاد المعاد

کا فرق ہے۔ پس جب ائمہ اہل اسلام ایسے شروط کو جائز رکھتے ہیں تو بجائے بڑے بڑے مہروں کے ایسی شرایط و نیز تاوان مقرر کرنے کی شرایط سے حقوق نسوان کی حفاظت اولے والنسب ہے ؂

مہر کے باب میں یہ ایک نہایت موثر اصلاح ہو سکتی ہے کہ تمام مہر معجل قرار پایا کرے۔ اس سے کئی فایدہ حاصل ہونگے۔ اول تو بی بی کی قدر زیادہ ہو جائیگی۔ کیونکہ اُس کا حصول محض فرضی رقوم کی زبانی جھوٹے اقرار پر نہ رہیگا۔ جھوٹا اقرار اس کو ہم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اقرار نہ کبھی پورا ہوتا ہے اور نہ پورا ہو سکتا ہے۔ دوم۔ ماں باپ جو بے مقدور ہوتے ہیں اور قرض دام سے کر اولاد کا نکاح کر دینا غلطی سے اپنا فرض سمجھتے ہیں اس ناعاقبت اندیشی سے باز رہینگے۔ سوم بصورت بیکاری شوہر دولھن کو جو ساس سسرے خرچ سے تکلیف دیتے ہیں اس قاعدہ کے مقرر کرنے سے وہ تکلیف ہلکی ہو جائیگی ؂ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو مہر اس طرح پر ادا کیا جائے اُسے ماں باپ کسی بنک یا کسی اور ذریعہ آمدنی میں لگا دیں۔ اور وہ مہر اور اُس کا انتفاع سب خاص عورت کی ملکیت کے طور پر جمع رہے اور اُس کی حفاظت کی ایسی تدابیر کی جائیں کہ شوہر یا کوئی اور شخص سوائے اُس عورت کے اُس سے انتفاع حاصل نہ کر سکے بجز اُس صورت کے کہ زوجہ خود اپنے شوہر پر اعتماد کر کے کوئی دوسرا طریق اختیار کرے۔ مہر کی تعداد کسی حالت میں جب فریقین کی حیثیت مالی اجازت دے تو قلیل نہیں ہونی چاہیے۔ یہ بھی ایک

عام غلطی ہے کہ لوگوں نے ایک قلیل حقیر مقدار کو شرعی مہر سمجھا ہوا ہے۔ اس مہر کو بجائے شرعی مہر کے نبوی مہر کہیں تو بجا ہے یعنے یہ وہ مقدار ہے جو رسول خدا صلعم نے اپنی ازواج مطہرہ کی مقرر کی یا اپنی بیٹیوں کے لئے مقرر کرایا مگر آپ نے کوئی حکم امت کو اُس قدر مہر کے مقرر کرنے کا نہیں دیا۔ رسول خدا صلعم اور اُن کے دامادوں کے اخلاق ایسی اعلےٰ درجہ کی روحانیت اور تقدس پر پہنچے ہوئے تھے کہ اُن سے بہتر اخلاق اور نیک دلی اور حسن معاشرت کا خیال پیدا ہونا مشکل ہے۔ جو لوگ اپنے دامادوں سے اپنی بیٹیوں کے ہمراہ ایسے نیک سلوک کی امید رکھ سکتے ہیں جیسی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات سے کرتے تھے وہ بے شک ایسے قلیل مہر کو اپنی اولاد کے حقوق کی حفاظت کے لئے کافی سمجھیں۔ مگر خیالات وچال چلن شیطانی رکھنا اور سنت نبوی کی پیروی کا دعوے کرنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔

خود خدا تعالےٰ نے قرآن مجید میں جہاں طلاق کا ذکر فرمایا ہے وہاں فرمایا کہ اگر تم نے عورتوں کو مہر میں بے شمار خزانہ بھی دیا ہو تو بعد طلاق تم اُن سے کچھ واپس لینے کا حق نہیں رکھتے۔

حیث قال اللہ تعالیٰ وان اردتم استبدال زوج مکان زوج واتیتم احدٰھن قنطارًا فلاتاخذوا منہ شیئًا ۔ النساء

پس ظاہر ہوا کہ کثیر التعداد مہر مقرر کرنا خلاف شرع یا مرضی الٰہی نہیں ہے۔ ہم جو کثیر التعداد مہر کے مخالف ہیں تو اُس قسم کی فرضی کثیر التعداد مہر کے مخالف ہیں جو بلحاظ اپنی حیثیت کے ناقابل الادا ہو۔ ورنہ کثیر التعداد مہر جو بلحاظ مالی حالت شوہر قابل ادا ہو اور بطور مہر معجل بروقت نکاح ادا کر دیا جائے تو وہ کسی طرح قابل اعتراض نہیں۔ ہاں بہرحال کوئی پیمانہ ضرور ہونا چاہیے جس کے مطابق بلحاظ کمی بیشی جائداد یا آمدنی شوہر مہر

کم وبیش مقرر کیا جایا کرے۔ اور اُس پیمانہ کے روسے بآسانی تشخیص مہر ہو جایا کرے اور وہ اختلاف پیدا نہ ہوا کرے جس کی وجہ سے اکثر رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ رشتے ٹوٹ جاتے ہیں اور شوہر و زوجہ میں کشیدگی آجاتی ہے۔ ہماری دانست میں مہر معجل بقدر دہم حصہ جائداد شوہر مشخص ہونا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر شوہر کوئی جائداد نہ رکھتا ہو بلکہ ملازمت پیشہ اور تنخواہ دار ہو تو تین سال کی تنخواہ مہر قرار پانا چاہئے اور ہر ماہ میں بوضع چہارم یا پنجم حصہ تنخواہ مہر ادا ہوتا رہے۔ شرعی حصص ورثا کے جو قائم کئے گئے ہیں وہ اُس حالت میں بہت ہی موزوں ہیں جب سب ورثہ ایک ہی قسم کی زندگی بلحاظ آسودگی بسر کرتے ہوں۔ لیکن جب افراد میں مختلف درجہ کا تمول پایا جاتا ہو تو اُن کو شرعی حصص پر چھوڑنا کسی کی حالت میں بیرحمی ہوگی اور کسی کے ساتھ بے ضرورت فیاضی۔ ایسے حالات میں ہبہ کے قاعدہ سے مستفید ہونا چاہئے۔ اور جس شخص کو جو کچھ دینا منظور ہو اُس کو اپنی زندگی میں دے دیا جائے۔ شرعی حصص بظاہر ایسی مجبوری کے حالات سے متعلق ہیں کہ جب کوئی شخص ہبہ یا وصیت کے قوانین سے مستفید نہ ہو۔ ایسی ناعاقبت اندیشی کی حالت میں ضرور شرعی حصص میں تقسیم ہو کر اُس کی جائداد کی تکا بوٹی ہوگی۔ لیکن کوئی سی صورت اختیار کی جائے خواہ زندگی میں اپنے مال و املاک کا انتظام کر دیا جائے۔ خواہ بعد موت بذریعہ حصص شرعی تکا بوٹی ہونے کے لئے چھوڑا جائے۔ بیوی کے حق کو کوئی گزند نہیں پہنچیگا کیونکہ اُن حصص کے روسے بھی اُس کو کم از کم ہشتم حصہ ہاتھ آئیگا اور بعض حالات میں چہارم اور یہ حصے اور مہر معجل مل کر ایک معقول رقم بنتی ہے۔ یہ حصہ ہر حالت میں ہر بیوی کو ملنا چاہئے۔ لیکن اس کے علاوہ بلحاظ حسن معاشرت ہر بیوی اپنے شوہر کے حُسن سلوک کی

متوقع رہیگی۔ یہ حسن سلوک بہت سے امور پر مبنی ہو سکتا ہے۔ مثلاً

(۱) حُسن انتظام خانہ داری

(۲) محبت و دلداری شوہر

(۳) تربیت اولاد و تعلیم

(۴) سلوک ہمراہ اولاد سابق اگر شوہر رکھتا ہو

(۵) اقرار در بارہ عدم ازدواج ثانی بعد موت شوہر

۱۰۔ نکاح کے متعلق ایک اور اصلاح بھی ضروری اور بہت مفید معلوم ہوتی ہے۔ حال کے دستور کے موافق والدین اپنی بیٹی کو جہیز میں بہت سی پتیلیاں اور لوٹے اور چمچے اور کٹورے اور بہت سی خاک بلا دیتے ہیں۔ بعض والدین نہ صرف برتنوں پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ ہگنے موتنے کا سامان بھی مثلاً چوکی طشت وغیرہ بھی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ بے شمار کپڑوں کے جوڑے سلے سلائے جن میں پاجامے۔ کرتیاں۔ دوپٹے وغیرہ سب کچھ ہوتے ہیں کئی سال کا سامان پہلے سے تیار کر دیتے ہیں اور جس طرح برتنوں میں چوکی اور طشت تک نوبت پہنچتی ہے ان میں رومال۔ کمر بند۔ موباف بٹوے۔ تلے دانیوں اور کنگھی تک نوبت پہنچتی ہے۔ یہ پارچات قطع نظر اس امر کے کہ وہ پہننے والی کو پسند یا مرغوب ہونگے یا نہیں اس وجہ سے بنانے فضول ہیں کہ پارچات ہمیشہ نئے نئے انواع و اقسام کے آتے اور بکتے ہیں اور اس وقت حسب دستور زمانہ خریدنے اور بنانے پڑتے ہیں۔ ہماری رائے میں چند نفیس جوڑوں اور چند ضروری ظروف کا دینا کافی ہوگا اور باقی جہیز کے عوض نقد روپیہ

یا اُس کے عوض کوئی جائداد مثلاً اراضی زرعی یا کوئی جائداد سکنی یا گورنمنٹ پرامیسری نوٹ یا جو بلحاظ حیثیت مناسب ہو دینا مفید ہوگا*

ہم نے انتخاب شوہر و زوجہ کے ساتھ ہی تعین مہر کا ذکر کیا ہے۔ اِس کی یہ وجہ ہے کہ ہماری دانست میں مہر کا تعین اسی مرحلہ پر طے ہونا چاہئے۔ ورنہ بسا اوقات تعین مہر کے جھگڑے میں بنی بنائی بات بگڑ جاتی ہے۔ دو خاندانوں میں سخت رنج پیدا ہو جاتا ہے۔ تمام بارات بھوکی اور قاضی منتظر نکاح پڑھنے کا رہتا ہے۔ رات کے دو دو بج جاتے ہیں اور مہر کا جھگڑا طے نہیں ہوتا۔ ان نزاعات کو رفع کرنے کے لئے ضرور ہے کہ خواستگاری کے وقت اِس امر کا فیصلہ ہو جایا کرے۔ جب انتخاب شوہر و زوجہ عمل میں آجائے۔ مہر معین ہو چکے تب اگر ضرورت معلوم ہو تو منگنی کی رسم ادا کی جائے۔ ورنہ فوراً نکاح عمل میں آئے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ منگنی کی نسبت بھی ہم کچھ لکھیں*

منگنی

ہمارے ہاں منگنی ایک ایسی رسم ہے کہ اگر اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے تو بہت مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ اِس کے مفید ہونے کے لئے یہ امر ضرور ہے کہ بعد منگنی کے خاطب و مخطوبہ کو اجازت باہمی خط و کتابت کی دی جائے باوجود اجازت کے لڑکی کو ایسے خطوط بہت لحاظ اور حیا اور کسی قدر پردہ کے ساتھ لینے ہونگے۔ گو اس امر کا علم سب خاندان کو ہو۔ اس خط و کتابت سے فریقین کو ایک دوسرے کی مزاج شناسی کا موقع ملیگا۔ اور شادی سے پہلے

دونو کے مزاج بہت قریب الاتحاد ہو جائینگے۔ اور گویا دونو ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کی
تیاری کر لینگے۔ معمولی حالتوں میں دو بالکل غیر متجانسوں کو بلا تمہید یک لخت ملا دیا جاتا ہے۔
اول تو مزاج سے محض ناواقف۔ دوسرے لڑکی پر شرم کا ایسا بیحد حملہ ہوتا ہے کہ نکاح جس کا
نام شادی یعنے خوشی تھا ایسی تقریب ہو جاتا ہے جس میں خصوصاً لڑکی کو بے آرامی اور تکلیف
اور تشویش کے سوا کوئی راحت نہیں ملتی۔ اور یہ بے آرامیاں اس قدر بڑھ جاتی ہیں کہ اگر چوتھی کی
رسم نہ ہوتی جس سے لڑکی کو جلد ایک ذریعہ نجات کا مل جاتا ہے تو وہ سخت عذاب میں گرفتار
رہا کرتی۔

منگنی کے ایّام میں لڑکی اور لڑکے کے اقرباء میں جو خط وکتابت ہو وہ ضرور ہے کہ سچّے
اخلاص اور محبت سے پُر اور یگانگت کے رنگ سے رنگین ہو۔ ہمارے ہاں منگنی کے ایّام
میں جس قسم کی خط وکتابت ہوتی ہے ہم اُس کو سخت ناشائستہ تصوّر کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ منگنی
سے پہلے دونو خاندان ایک دوسرے کے حال کی تفتیش بہت چھان بین کے ساتھ کرتے ہیں۔
لیکن جب وہ مرحلہ طے ہو چکے اور یگانگت قائم ہو جاوے تو ایک دوسرے کی عیب جوئی۔ یا چھوٹائی
بڑائی کا فرق تو بڑی بات ہے کوئی امر ایسا بھی نہیں ہونا چاہیئے جو مغائرت پر دال ہو۔ ہمارے ہاں یہ بہت
معیوب بات ہے کہ ہر خاندان اپنی عزت کو دوسرے سے برتر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ خصوصاً
لڑکی والے ہر تقریر اور ہر تحریر سے یہ جتلانا چاہتے ہیں کہ ہم کو اِس رشتہ کی چنداں ضرورت
نہ تھی۔ اور گو حقیقتہً لڑکی کی شادی کی اُن کو جلدی بھی ہو لیکن دوسرے فریق پر وہ اِس ضرورت
کو ظاہر نہیں کرتے بلکہ بظاہر ٹلانا چاہتے ہیں۔ اور بار بار یہ بھی جتلاتے ہیں کہ رشتہ تو اچھّی اچھّی

جگہ سے آئے تھے مگر تمہاری تقدیر یاور نکلی ٭

جس اصول پر یہ کارروائی ہوتی ہے اس کا نام ہماری دانست میں بھاری بھرکم کا اصول ہے اِس اصول کے رو سے لڑکی والے باوجود اس کے کہ لڑکی کی عمر زیادہ ہوگئی ہے اور اُس کے لئے بیاہے جانے کی شدید ضرورت ہے ایسی لاپروائی سے رشتہ کا ذکر کرتے ہیں کہ گویا لڑکی ابھی قابل ازدواج ہی نہیں ہوئی اور گویا پچاس جگہ سے رشتہ آیا ہوا ہے۔ ایک لڑکی کا کسی خاندان میں رشتہ ہوا۔ لڑکی نہایت لائق اور لڑکا لیاقت کا نہایت قدردان۔ دونوں میں ازحد دلی محبت ہوگئی۔ ممکن نہ تھا کہ اگر یہ رشتہ ٹوٹ جائے تو یہ لڑکا لڑکی اپنا رشتہ کسی اور جگہ ہونا پسند کریں۔ تاہم ذری سی بات پر لڑکی کی بہن لڑکے والوں کو ہمیشہ یہ ہی کہا کرتی تھی کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا۔ جہاں گُل ہے وہاں بلبلوں کا کال نہیں ٭

ہمیں ایک اور تعلیم یافتہ عورت کا خط ہاتھ لگا ہے جو اپنے کسی عزیز کے رشتہ کے بارہ میں اپنے خاندان کے بزرگ کو لکھتی ہے :۔

"قبلہ وکعبہ۔ بعد آداب کے عرض ہے کہ ننھی کے رشتہ کے لئے میں تین دفعہ پہلے لکھ چکی ہوں۔ یہ چوتھا خط ہے۔ والدہ صاحبہ فرماتی کہ منظوری کا خط جلدی بھیج دو۔ کہیں رشتہ ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ لڑکی کو خیر سے اٹھارھواں سال شروع ہے۔ اتفاق سے رشتہ ایسی جگہ سے آیا ہے کہ گھر خاصہ آسودہ۔ لڑکا لائق۔ بیوی کا قدردان رتبہ شناس۔ نیک چلن۔ اور سب سے اچھی یہ بات کہ خود اُنہوں نے آرزو سے یہ رشتہ چاہا ہے۔ ہم نے گِر کر یہ رشتہ نہیں دیا بلکہ ہم اپنے گھر بھاری بھرکم رہے۔ اماں تو چاہتی ہیں کہ ایک آدھ دفعہ انکار کردو۔ لیکن وہ

لوگ کچھ انگریزی خیاں سے ہیں ان تکلفات کو نہیں جانتے۔ کہیں وہ ہمارے اس انکار کو سچا انکار ہی نہ سمجھ لیں اور چپ ہو بیٹھیں۔ پھر ہم کس منہ سے کہینگے کہ لو بیٹی لے لو اس لئے بہتر یہ ہے کہ رشتہ تو کچھ دبی ہوئی زبان سے منظور ہی کر لو۔ مگر ہاں شادی میں ذرا دیر لگانا۔ اگرچہ لڑکی کی عمر زیادہ ہو گئی ہے اور دیر کا موقع نہیں لیکن ہم نے سُنا ہے کہ لڑکے والوں کو بھی بہت جلدی ہو رہی ہے۔ پس دو چار دفعہ کے ٹلانے سے ہمارا کچھ ہرج نہ ہوگا بلکہ ہماری عزت بڑھیگی اور انہیں معلوم ہو جائیگا کہ انہیں ہماری چنداں پروا نہیں ہے منظوری کا خط لکھو تو دو چار جگہ کے جھوٹے سچے رشتوں کا بھی ذکر کر دینا کہ فلاں فلاں جگہ سے پیغام آئے ہیں" فقط

اِس خط میں بھاری بھرکم کے اصول کو خوب تصریح کے ساتھ بیان کیا ہے بجائے ایسے خطوں کے جو دلوں میں فرق اور محبت میں کمی اور باہم مغائرت پیدا کرتے ہیں ایسے خاندانوں میں خطوط نہایت پُر لطف اور دل خوش کرنے والے ہونے چاہئیں اُس تحقیق و تفتیش کے بعد جو ابتداءً بیشک ضروری ہے اور جس کے اثناء میں بیشک عیب و صواب سب کچھ دیکھنا پڑتا ہے پھر ہر دو فریق کی نظر میں دوسرا فریق اس رشتہ کے باب میں دنیا میں سب سے بہتر قرار پانا چاہئے +

ہمارے پاس دو طرح کے اَور دو خط ہیں جو نمونہ کے لئے ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:۔

ایک خُسر کا خط اپنے داماد کو

لختِ جگر نورِ بصر۔ مودت نامہ مورخہ یکم ستمبر مجھے پرسوں ملا۔ جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا میں نے کئی بار شوق سے پڑھا۔ اور ہر بار لطف قند مکرر کا پایا۔ میں اللہ تعالےٰ کے انعام کا

کہاں تک شکر کروں کہ حق تعالےٰ نے باجابت دعاے سحری و نیم شبی فقیر بلا کسی تدبیر ظاہری کے میری بضعہ عفیفہ کو ایسا شخص با محبت و اخلاق صادق الوداد عطا فرمایا۔ اللّٰھم لک الحمد حمدا یوافی نعمک ویکافی مزید کرمک احمدک بجمیع محامدک ما علمت منہا و مالم اعلم وعلیٰ کل حال۔

آپ کو وہ مبارک ہو اور آپ اُس کو مبارک اور فقیر کو دونوں مبارک۔ جب ارادہ ازدواج ہو کم از کم ایک مہینہ پیشتر اطلاع ہونی چاہئے کہ میں رخصت لے کر آؤں اور خود انصرام کار کروں۔

افسوس ہے کہ آپ کے مودت نامہ کے جواب میں بوجہ کثرت کارسرکاری دو روز کی دیر ہوگئی۔ اس وقت کہ وقت شب ہے چراغ کے روبرو آپ کو خط لکھ رہا ہوں۔ پروانے کثرت سے چراغ پر جان فدا کر رہے ہیں۔ صدہا پروانے میرے جسم پر لپٹے ہیں۔ لیکن میں اپنے چراغ پر پروانہ ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ ہمیشہ اس چراغ کو روشن اور تاباں رکھے آمین یارب العالمین۔ مورخہ ۱۱ ستمبر

ایک اور خط

عزیزمن۔ بعد دعاء آنکہ۔ گذشتہ مہینے میں تمہارا مفصل خط ۱۲۔۱۳ صفحہ کا میری نظر سے گذرا تھا۔ میں تمہارے باب میں بُرے خیالات نہیں رکھتا۔ نہ تمہاری درخواست کو نامناسب سمجھتا ہوں۔ میں مجملاً پہلے ظاہر کرچکا ہوں کہ میری دانست میں تمہاری تجویز کی مخالفت کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔ تمہاری علالت کا افسوس ہوا۔ میں خیریت سے ہوں۔ والدعا

رسوم تقریب نکاح

تقریب نکاح کے رسوم میں بھی دو تین اصلاحیں بہت ضروری معلوم ہوتی ہیں:۔

اوّل یہ کہ بارات میں چند عزیز و اقرباء یا دو چار دوستانِ مخلص کا جانا کافی ہے۔ کلُ کنبہ یا برادری کا لشکر جمع کر کے رتھیں اور بہلیاں اور گھوڑے لے جانا عجب بیہودگی ہے۔

دوم۔ بارات کے ساتھ لڑکے کا گھوڑے پر سوار ہونا اور باقی کلُ لوگوں کا اُس کے پیچھے پیچھے پیدل چلنا بھی لغو دستور ہے۔ ضرور ہے کہ سب ایک قسم کی سواری پر سوار ہوں یا سب کے سب پیدل ہوں۔ دولہا کا کسی قدر زیادہ زینت دار لباس اور پھولوں کے ہاروں سے متمیز ہونا کافی ہے مگر اُس کو سپہیروں کی طرح پشواز پہنانی جس کو جامہ کہتے ہیں سنّت نبوی کو بدنما اور مکروہ صورت بنانا اور اُس کی عزت کو کھونا ہے۔

سوم۔ ضرور ہے کہ بارات کے آنے سے پہلے لڑکی والے اپنے گھر کو اپنے مقدور کے موافق آراستہ کریں۔ اُس کی آراستگی عمدہ روشنی اور شاداب پھول پتوں سے ہونی مناسب ہے جو سرسبزی اور تروتازگی اور شادکامی کی عمدہ علامات ہیں۔

چہارم۔ دولھن کو ایسے پردہ کے لباس میں جو اُس کے اقرباء مناسب سمجھیں عقدِ نکاح کے لئے مجلس نکاح میں شامل ہونا اور قاضی کے روبرو اُس عقد کی رضامندی کا اپنی زبان سے اظہار کرنا ضروری سمجھا جاوے مناسب ہے کہ بعد عقد نکاح دولھا اور دولھن پر پھول برسائے جائیں۔

پنجم۔ رخصت کے وقت دولھن کے ہمراہ اُس کے عزیزوں میں سے کسی مرد اور کسی قدر عورتوں کا جانا موجب اُس کے آرام و سہولت و اطمینان کا ہے۔ سسرال میں پہنچ کر دولھن کا کمال حیاء و شرمگین نگاہ کے ساتھ اُترنا اور معتدل رفتار کے ساتھ چلنا اور سب سے

ملنا اور مودبانہ پیش آنا۔ ہر سوال کا معقول مختصر جواب دینا آدمیت کی باتیں ہیں نہ اندھا بھینسا بن جانا۔ دوسروں کے چلائے چلنا اور دوسروں کے اُٹھائے اُٹھنا۔ دولھن کے پاس ہر وقت بھیڑ کا رہنا بھی خوب نہیں بلکہ بیبیوں سے ملانے کا ایک وقت خاص چاہئے۔ اور اُس کے علاوہ دولھن کو تنہائی میں بے تکلفی کے ساتھ آرام کرنے کا موقع دینا چاہئے۔ چوتھی کی رسم صرف اِس غرض سے ہے کہ دولھن نئے گھر میں جانے کی وجہ سے اور فاقوں سے گھبرا نہ جائے پس اگر اُس کے ایک دو عزیز اُس کے پاس ہوں اور اُس کو بے تکلفانہ رکھا جائے اور آدمیت کے طریق برتے جائیں تو ضرورنہ ہوگا کہ دوسرے روز ہی دولھن کے لوگ اُس کے لینے کو چڑھ آئیں۔ بلکہ ہفتہ عشرہ میں جب مناسب ہو دولھن کو بھیج دیا جائے۔ مجھے امید ہے کہ اگر اِن اصلاحوں پر یا اِن کے قریب قریب اِسی قسم کی اِصلاحوں پر باضابطہ عملدرآمد ہو تو نکاح جیسا ذریعہ شادی وخوشی کا ہے ویسا ہی بن جائے اور ہزاروں گھرانے اِن اِصلاحوں کی بدولت خوش و خُرّم ہوں۔ گھر کے لوگوں میں دلی محبت و یکجہتی پیدا ہو اور گروہ انسان سے ہزارہا رنج و غم دور ہوں۔

معاشرت زوجین

جب عورت کے حقوق کا بالکل مردوں کے حقوق کے مساوی ہونا ثابت ہو چکا۔ اور ایسی قسم کی تعلیم کی جو اُس کو مرد کا جلیس انیس بنانے کے لئے ضرور ہو محقق ہو چکی اور سنّت نبوی علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام کی دربارۂ نکاح معلوم ہو چکی تو معاشرت زوجین کی نسبت کچھ زیادہ کہنا فضول تھا کیونکہ جب عورت اور مرد خلقت میں یکساں ہیں تو ظاہر ہے کہ جو

امور مرد کو رنج دینے والے ہیں وہ ہی عورت کو رنج دینے والے ہیں اور جو امور مرد کو خوش
کرنے والے ہیں وہ ہی عورت کو خوش کرنے والے ہیں مگر لوگ بیبیوں کے حقوق کے ادا
کرنے میں طریق شریعت سے اس قدر دور جا پڑے ہیں کہ صرف سرسری راہ نمائی اُن کو راہ
پر نہیں لاسکتی بلکہ ضرور ہے کہ اُن کا ہاتھ پکڑ کر طریقِ شریعت پر کھڑا کیا جاوے۔ شوہر و زوجہ
میں جو ناچاقیاں اور بے لطفیاں پیدا ہوتی ہیں وہ تاہل کو تلخ اور خراب کر دیتی ہیں۔ اُن کے
اسباب عموماً یہ ہوتے ہیں۔ فریقین ازدواج کے درجۂ تعلیم میں بیحد تفاوت کا ہونا یا طبعی بد
مزاجی یا ساس نند کے تنازعات۔ تعلیم کی نسبت ہم بہت کچھ کہہ چکے ہیں اور بتلا چکے ہیں کہ
تعلیم یافتہ نوجوان ناخواندہ بیویوں سے کبھی خوش نہیں رہ سکتے اور جبکہ زمانۂ حال میں لڑکیوں
میں ابتدائی تعلیم کا آغاز ہے تو لائق نوجوانوں کو لائق رفیق ملنے مشکل ہیں۔ البتہ کمی تعلیم کی
کسی قدر تلافی خوش تربیتی اور سلیقہ مندی سے ہو جاتی ہے۔ شوہر جانتے ہیں کہ بیوی پڑھی
ہوئی نہیں ہے اس لئے وہ ناخواندہ سے خواندہ کے سے افعال کے متوقع نہیں ہوسکتے بعض
وقت لائق شوہر کو جو اپنی بیوی کے ساتھ سلوک بھی اچھا کرتا ہے محبت بھی بے انتہا رکھتا
ہے اور کوئی دقیقہ انس وہمدردی کا اُس کے لئے اُٹھا نہیں رکھتا اس بات سے نہایت
رنج و بیدلی ہوتی ہے کہ وہ بیوی باوجود خواندہ ہونے کے اپنے شوہر کے اوصاف کی
پوری قدردانی نہیں کرتی اور قدردانی نہ کرسکنے کے باعث وہ اُس قدر خوش و بشاش بھی
نہیں پائی جاتی جس قدر اُس کو ایسے حالات میں پایا جانا چاہیئے تھا۔ ہمارے مخدوم دوست
پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری جو بانی دیو دھرم ہیں بیوی کے ساتھ حسن سلوک میں اپنی قوم

میں بےنظیر ہیں۔ مستورات کے باب میں اُن کی فیاضانہ رائیں۔ اور دلی دردمندیاں اور منصفانہ فیصلے اس قابل ہیں کہ اہلِ اسلام بھی اُن کی پیروی کریں۔ پنڈت صاحب موصوف کی شادی نومبر ۱۸۸۱ء میں ایک برہمن خاندان میں گنیش سندری دیوی سے ہوئی۔ یہ لڑکی اگرچہ کسی قدر تعلیم یافتہ تھی اور عبادت اور مذہبی رسومات کے ادا کرنے کا اُس کو بیحد شوق تھا اور اپنے شوہر سے بھی بظاہر ہر طرح خوش تھی مگر اُس میں اِس قدر استعداد نہ تھی کہ وہ اپنے شوہر کی خوبیوں کو سمجھ سکتی اور اُن سے پورے طور پر مستفید ہو سکتی۔ اندریں صورت ان میں وہ خوشی اور بشاشت جو ایسے لائق شوہر کے حاصل ہونے سے ہونی چاہیئے تھی حاصل نہ تھی۔ پنڈت صاحب موصوف اپنی قوم میں ایک ہی شخص ہیں جو مستورات کے حقوق کے بڑے بھاری حامی ہیں۔ جس خوش نصیب برہمن لڑکی کو اُن کی زوجیت کی عزت حاصل ہوتی وہ اُن کے وجود کو مغتنمات سے گنتی ✦ ایسی ہی بعض مثالیں اپنے احباب اہل اسلام کی ہیں مگر وہ اپنا نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔

ایک ہمارے مخدوم دوست ہیں جن کا دل قوم کی محبت اور ہمدردی کے جوش سے لبریز ہے اور جس دن وہ نہ ہوگا سارا ہندوستان اُسے روئیگا۔ اُس کی زندگی کا ایک ایک سانس قوم کے لئے دورا ہے۔ ان بیچاروں کو بھی رفیق ایسا مِلا ہے کہ اُس کی نظر میں وہ زمانہ بھر کا ہمدرد اُس کا ہمدرد نہیں ہے۔ زمانہ بھر میں اگر کوئی اُن کا شاکی ہے تو اُن کی بیوی۔ ایک ہمارے نہایت فاضل دوست ہیں جو بحر علوم عربیہ میں شناوری کرنے والے اور نہایت خوش مذاق خوش خیال شخص ہیں جن کی ذات گروہ علماء میں مغتنمات سے

ہے۔ مگر بطریق زندگی نے اُن کو کسی کام کا نہیں رکھا۔ اُن کے بے انتہا علم سے ایک ذرہ
کی برابر فیض کسی کو نہیں پہنچتا۔ ہم تو جب کبھی اُن کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تو یہ ہی سُنا
کہ مولوی صاحب پیڑھا ٹھوک رہے ہیں۔ یا چارپائی کی اَدوائن کس رہے ہیں۔ یا پسنہاری کو
گیہوں تول کر دے رہے ہیں۔ یا بچوں کی آبدست کر رہے ہیں۔ پس جس شخص کو اس قسم کی خانہ داری
نصیب ہو اُس کو کیا راحت نصیب ہو سکتی ہے۔ بعض لوگوں کو ایسی بیویاں ملتی ہیں جو اچھی لکھی
پڑھی ہیں۔ شوہر کی اطاعت بھی کرتی ہیں۔ کفایت شعار بھی ہیں۔ مگر خوش سلیقہ نہیں۔ بعض
مردوں کو مکان کی زینت و آرائش کا بہت شوق ہوتا ہے اور خود بیوی کو بھی صاف اُجلے
لباس میں ہی دیکھ کر خوش ہوتے ہیں مگر بیوی اپنی طبعی سادہ مزاجی کی وجہ سے اپنے شوہر
کی اِس خواہش کی طرف پوری توجہ نہیں کرتی اِس لئے شوہر کے دل سے رفتہ رفتہ وہ اُتر جاتی
ہے اور وہ اُس کو پھوہڑ سمجھنے لگتا ہے۔ ایسی حالت میں شوہر و زوجہ میں کوئی حقیقی اُنس
نہیں ہوتا اور وہ صرف حیوانی خواہشوں کے پورا کرنے کے لئے شوہر و زوجہ بنتے ہیں۔ بلکہ ایسے
شوہر و زوجہ کو شوہر و زوجہ کہنا ہی نہیں چاہئے وہ صرف نر و مادہ ہوتے ہیں۔ مگر ان خرابیوں کا
علاج بعد نکاح کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور قبل از نکاح اگر انتخاب میں پوری کوشش کی جاوے
تو اِن خرابیوں سے بچنا بخوبی ممکن ہے۔

لیکن شوہر و زوجہ کے درمیان جو عموماً رنجشیں پیدا ہوتی ہیں بعض اُن میں ایسی بھی ہیں
جن کا علاج بخوبی ممکن ہے۔ اُس کے اسباب عموماً حسب ذیل ہوتے ہیں:۔

(۱) شوہر کا بد وضع ہونا جس کی وجہ سے وہ اپنی بیوی کی طرف پورا التفات نہیں کرتا۔

(۲) شوہر بدوضعی کی وجہ سے یا محض بے اعتباری کے سبب بیوی کو کافی خرچ نہیں دیتا اور جس قدر دیتا ہے اُس کا حساب ناواجب سختی سے لیتا ہے ✣

(۳) شوہر ناعاقبت اندیشی سے مہر زیادہ مقرر کروالیتا ہے۔ بعد نکاح وہ اپنی بیوی سے مہر معاف کروانا چاہتا ہے بیوی مہر معاف نہیں کرتی تو میاں بیوی کے دل میں فرق آجاتا ہے۔ اور سچی محبت و اخلاص مبدل بہ خودغرضی ہوجاتا ہے ✣

(۴) بعض شوہر باوجود لائق ہونے کے عورات کے باب میں نہایت پست خیالات رکھتے ہیں اور وہ بیویوں کا زیادہ خواندہ ہونا پسند نہیں کرتے۔ ایسے نوجوان حسب الدین کے دباؤ سے شادی کرتے ہیں اور کوئی بدنصیب لکھی پڑھی لڑکی اُن کے پلے پڑجاتی ہے تو آپس میں سخت ناموافقت ہوتی ہے ✣

ان سب صورتوں میں مرد کو اپنے عادات کی اصلاح کرنی چاہیئے اور اُن ہدایات پر کاربند ہونا چاہیئے جو خاتمۂ کتاب پر لکھی جائینگی۔ متاہل شخص کے لئے بالخصوص بدوضعی سخت روسیاہی ہے اور شوہر کو محض بیوی کی دلجوئی اور خوشی کے لئے نہیں بلکہ خوف خدا سے بدچلنی سے بچنا چاہیئے۔ کہ اِس سے زیادہ کوئی گناہ نہیں ہے۔ خانہ داری کی خوشی کو تباہ کرنے والا۔ بچوں کے لئے بدراہی کا نمونہ دکھانے والا۔ دنیا میں ذلیل و خوار اور آخرت میں عذاب دوزخ میں گرفتار کرنے والا ہے ✣ شوہر کو غور کرنا چاہیئے کہ جس لڑکی نے تمام دنیا سے ایک طرح کا قطع تعلق کرکے اپنے تئیں تمہارے سپرد کردیا ہے جو اَب صرف تمہاری کہلاتی ہے۔ جس کی قسمت کا فیصلہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔ جس نے

تمہیں خود اس قدر اختیار دے دیا ہے کہ تم چاہو تو اُس کو مار ڈالو چاہو تو اُس کو جلا دو۔ جو تمہاری خدمت اِس دردمندی سے کرتی ہے کہ دنیا میں کوئی نہ کریگا۔ جو تمہارے بچوں کو اِس شفقت سے پالتی ہے کہ اور کوئی نہیں پال سکتا اور جو باوجود اِن سب باتوں کے اپنے تئیں تمہاری کنیز اور تمہیں اپنا سرتاج کہتی ہے کون سی غیرت اور انسانیت اجازت دیتی ہے کہ ایسی عاجز مخلوق کو ستایا جاے اور اُس مظلوم کا دل دُکھایا جاے۔ تم بدوضعی اختیار کرو اور اُس بیچاری کی امانت میں خیانت کرو۔ اور اُس کا حق چھین کر بازاری عورت کو دو۔ اُس کے کلیجہ میں چھُریاں مارو اور پھر اُس بکیس کی شکایت کرتے ہو کہ وہ ناخوش رہتی ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اُس کا دل انگاروں پر بھونو اور اُس میں سے دھواں نہ نکلے۔ اُس کا دل چیرو اور خون نہ بہے۔ اُس کا جگر چاک اور جان ہلاک کرو اور وہ اُف نہ کرے ؎

نئی تاکید ہے ضبطِ محبت کی وہ کہتے ہیں جگر ہو تو فغاں کیوں ہو دہن ہو تو زباں کیوں ہو

ذرا دھیان سے تصور کرو ایک بے زبان کی کیفیتِ قلبی کا۔ جب ایک جفاکار کسی کسبی کو اپنی بیٹھک میں بُلاتا ہے اور اپنی دلفگار رفیق سے اُس کے لئے کھانا پکواتا ہے اور اپنا مُنہ اور عاقبت سیاہ کرتا ہے اور وہ اشراف زادی اُس حرامکار کی جابرانہ اور کافرانہ حکموں کی تعمیل کر رہی ہے آنسو کی لڑی اُس کی آنکھوں سے جاری ہے۔ اور وہ اُس بیدرد سفاک کے خوف سے جلدی جلدی اپنی آنکھیں پونچھتی ہے کہ وہ کہیں دیکھ نہ لے اور ایسا ظاہر کرنا چاہتی ہے کہ چولھے کے دھُویں سے آنکھوں سے آنسو نکلے ہیں۔ ارے ظالم اس لڑکی

کی آہیں نہیں ہیں جلے بھنے دل کا دھواں نہ ہے۔ آنسو نہیں ہیں۔ جگر پانی ہو کر آنکھوں کے راستہ سے بہ رہا ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دعا کردن اجابت از درِ حق بہرِ استقبال مے آید

اِن اسبابِ رنجش کے بعد وہ اسباب ہیں جو شوہروں کے رشتہ داروں سے تعلق رکھتے ہیں خصوصاً ساس اور نند سے۔ بہت کم گھر ایسے ہونگے جن میں ساس بہویں یا بھاوج اور نند میں اتحادِ دلی اور محبت قلبی ہو۔ مختلف خاندانوں میں مختلف وجوہات اِن رنجشوں کی نکلتی ہیں لیکن اصول رنجش سب جگہ ایک ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ شوہر کے سب عزیز یہ چاہتے ہیں کہ بہو ہم سب میں سے ایک ایک کی تابعداری اور فرمانبرداری اس طرح کرے جس طرح وہ شوہر کی کرتی ہے بلکہ اُس سے بھی زیادہ۔ بعینہٖ جس طرح کسی فوجداری حاکم یا افسر پولیس کے عزیز و اقارب ناجائز فائدہ اپنے رعب خلاف قانون سے اُٹھاتے اور بیگناہوں کو ستا کر اپنی حکومت جتلایا کرتے ہیں اسی طرح شوہر کے اقارب بیچاری بہو کو ستاتے ہیں۔ وہ ساسیں جو بہت منتوں اور مرادوں کے مانگنے اور بڑی بڑی آرزوؤں اور تمناؤں کے بعد بہو بیاہ کر لاتی ہیں بڑی مشکل سے بہو کو بہو کی حیثیت میں صرف چار پانچ مہینے رہنے دیتی ہونگی۔ اُس کے بعد اُن کی خوشی صرف اس بات میں ہوتی ہے کہ وہ بہو اُن کے آگے بُرے گھر کی باندی کی طرح رہے اور ساس نند اُس پر وہ حکومت قائم کرنا چاہتی ہیں جو صرف مول لی ہوئی لونڈیوں پر ہو سکتی ہے۔ ہم نے ایک ساس کو دیکھا جو اپنی چار مہینے کی بیاہی ہوئی بہو کی نسبت اتنا گوارا نہیں کر سکتی تھی کہ وہ رنگا ہوا دوپٹہ

اوڑھ سکے۔ ہر وقت بناؤ سنگار کے طعنے دیتی تھی۔ اور دن رات اُس کا دل جلاتی تھی۔ اور بہوؤں کا ذکر کیا جاتا تھا تو یہ کہ اُنکی چکی پیستی ہے۔ ڈھمکی اناج چھڑتی ہے۔ فلانی کے کپڑے بالکل مٹی کے رنگ کے رہتے ہیں۔ اور تیرا بناؤ سنگار ہی ختم نہیں ہوتا۔ لاچار مجبور ہو کر اُس غریب نے سفید دوپٹہ اوڑھنا شروع کر دیا۔ مگر یہ امر اور بھی زیادہ غصہ کا باعث ہوا۔ ساس نے یہ سمجھا کہ یہ سفید دوپٹہ میرے بیٹے کی بدشگونی منانے کے لئے اوڑھا گیا ہے۔ غرض اُس آفت زدہ بہو کی جان عذاب میں تھی اور کسی کل چین نہ تھا۔ ساس کی اس قسم کی بدسلوکیاں عموماً ایسی حالت میں ہوتی ہیں جبکہ بیٹا خود کوئی ذریعہ معاش نہیں رکھتا بلکہ مع اپنی بیوی کے اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتا ہے۔ اور وہ ہی متکفل اُن کے اخراجات کے ہوتے ہیں۔ ایسی حالت میں ساس کو نہایت ناگوار گذرتا ہے کہ بہو اور اُس کا نکھٹو میاں مفت کی روٹیاں کھایا کریں۔ اور بہو کا ذرا سا آرام بھی ساس سے دیکھا نہیں جاتا۔ سو اِس کا علاج بجز اِس کے اور کچھ نہیں کہ جب تک کوئی ذریعۂ معاش حاصل نہ ہو جائے اُس وقت تک ہرگز ہرگز شادی نہ کی جائے اِس کی احتیاط اگر خود مرد نہ کرے تو لڑکی والوں کو تو ضرور ہی کرنی چاہئے کہ وہ اپنی لڑکی ایسے مرد کو نہ دیں جو کوئی مستقل ذریعۂ معاش نہ رکھتا ہو۔ بعض شوہر ایسی حالتوں میں اپنی دانست میں نہایت ہی منصفی کرتے ہیں اور اپنی غایت درجہ کی بے تعصبی ظاہر کرتے ہیں جبکہ وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ جھگڑے عورتوں عورتوں کے باہمی تکرار ہیں اِس میں مردوں کو دخل نہیں دینا چاہئے شوہر کی عدم مداخلت کی وجہ سے ساس نندیں اور بھی شیر ہو جاتی ہیں اور بیچاری بہو کو رات دن ستایا جاتا ہے۔ اور یہ عدم مداخلت پرلے درجہ کی بے انصافی زوجہ کے حق میں ہوتی ہے۔

ان رنجشوں کو شوہر ادنےٰ توجہ سے دور کر سکتا ہے۔ بلکہ شوہر کی توجہ کی بھی ضرورت نہیں ہے
خسر جو اس خاندان میں زوجہ کے باپ کی بجاے ہے وہ آسانی سے ان تمام شکائتوں کو دور کر سکتا
ہے۔ خسر کو لازم ہے کہ اپنی بی بی اور بیٹیوں کو بخوبی سمجھا دے کہ دیکھو تم نے کس چاؤ سے بہو لانے
کی خواہش ظاہر کی تھی۔ کس شوق سے اور منتیں مان مان کر قبروں پر غلاف۔ تعزیوں پر علم چڑھا
چڑھا کر بہو مانگی تھی۔ خدا نے بہو دی تو اب اُس کا یہ درجہ کرنا کہ وہ تمہاری باندی بن کر رہے
کون سی اشرافت کی بات ہے۔ کیا اگر یہی سلوک تمہاری بیٹیوں کے ساتھ ان کی سا ئیں
کریں تو کیا تمہارا دل ایسے سلوک سے خوش ہو گا۔ ہرگز نہیں۔ پس کیوں اس مظلوم کا صبر
سمیٹتی ہو۔ خدا کے فضل سے تمہارے آگے بھی بیٹیاں ہیں غرض خسر اگر نیک خیال آدمی ہو
تو بہوؤں کو کوئی تکلیف نہیں پہنچ سکتی۔ اس قسم کی رنجشوں کے مقابل میں کبھی ایک اور قسم
کی رنجشیں پیش آتی ہیں جبکہ شوہر کے والدین ذریعۂ معاش نہیں رکھتے اور بیٹا ہی کماتا ہے
اور ماں باپ اور بیوی سب کو پالتا ہے۔ ایسی حالت میں بیوی ساس کو بہت ستاتی ہے
اور اُس کو ناگوار گذرتا ہے کہ میرے شوہر کی کمائی میں اُس کے والدین بھی شریک ہوں۔ شوہر
کی عجیب ناگفتہ بہ حالت ہوتی ہے۔ اگر بیٹا اپنی کمائی ماں کے حوالہ کرتا ہے تو بیوی بگڑتی ہے۔ اور
اگر بیوی کے حوالہ کرتا ہے تو ماں طعنے دیتی ہے کہ میں نے کس مصیبتوں سے پالا تھا۔ بڑا ہوا اور
کھانے کمانے کے قابل تو میری خدمتوں کو بھول گیا اور بیوی کا غلام ہو گیا۔ ایسی صورت میں سب
سے بہتر یہ ہے کہ شوہر خرچ اپنے ہاتھ میں رکھے۔ اور ذاتی ضرورتوں کے لئے تھوڑا بہت بیوی
اور ماں دونوں کو جُدا جُدا دے دے اور سب سے زیادہ یہ کہ اُن کو نیک نصیحت کرے اور نیک

مستورات کی صحبت میں بٹھادے اور درستی اخلاق اور ترقی تعلیم میں کوشش کرے۔ پھر بھی کامیابی نہ ہو تو صبر کرے +

جس طرح شوہر کے اقارب باعث رنجش شوہر و زوجہ بنتے ہیں اسی طرح زوجہ کے والدین بھی طرح طرح کی رنجشوں کے باعث ہو جاتے ہیں۔ خصوصاً زوجہ کی والدہ یا بڑی بہن عموماً یہ چاہتی ہیں کہ اُن کی بیٹی یا بہن حد سے زیادہ گرویدہ اپنے شوہر کی نہ ہو جاوے۔ وہ ہمیشہ یہ نصیحت کرتی ہیں کہ شوہر پر اپنا دباؤ رکھو تاکہ تمہاری قدر شوہر کے دل میں زیادہ ہو۔ بیوی کا یوں کھنچنا کبھی کبھی شوہر کی طبیعت کی اصلاح کر دیتا ہے مگر بعض صورتوں میں سخت مضر بھی ہوتا ہے۔ جب کسی لڑکی کو نیک نہاد شوہر مل جاتا ہے اور پوری محبت کرتا ہے اور اپنی بیوی کو نہایت آرام سے رکھتا ہے تو وہ ضرور متوقع اس امر کا رہتا ہے کہ وہ بھی اُسکے ساتھ پوری محبت کریگی اور اُس کے آرام کو اپنا آرام سمجھیگی۔ ایسی حالت میں جبکہ زوجہ اپنی والدہ یا بہن کے سمجھانے بہکانے سے شوہر کے ساتھ روکھا پن برتتی ہے یا کج ادائی کرتی ہے تو ضرور شوہر کے دل میں اُس کی نالائقی اور ناقدرشناسی کا نقش جمتا ہے اور وہ بھی بے التفاتی سے پیش آنے لگتا ہے۔ ایک لڑکی اپنے شوہر کو بہت چاہتی تھی۔ اور وہ شوہر حقیقت میں اس قابل تھا کہ وہ اُس کو جتنا چاہتی تھوڑا تھا۔ مگر یہ امر اُس لڑکی کی والدہ کو سخت ناگوار تھا چنانچہ والدہ نے جو خط اپنی بیٹی کو اس باب میں لکھا اُس کی نقل ہم کو مل گئی ہے اُسے ہم یہاں درج کرتے ہیں وھو ہذا :-

ماں کا خط بیٹی کو

برخورداری۔ مدتیں گذر گئیں کہ تمہارا کوئی خط نہیں آیا۔ تمہیں ذرا پروا نہیں ہے کہ میری

ماں میرے خط کے لئے کس طرح تڑپتی ہوگی - اچھا بیٹی آباد رہو - شاد رہو - ہمیں کچھ خیال ہے اور سوچ ہے تو تمہاری بہتری کا ہے - جس طرح بنی ہم نے تو اپنی تیر کرلی - اب جو فکر ہے تمہارا ہے - مگر ہم کیا اور ہماری سمجھ کیا - ہماری عقل اور ہمارا دماغ اور دماغ کا خون دال روٹی سے بنا ہے - تمہاری عقل قورمہ پلاؤ سے پیدا ہوئی ہے - تم ہم غریبوں کی کب سنتی ہو - مگر بیٹا سنو - اگرچہ تمہارے دل میں شوہر کے سوا اور کسی کی جگہ نہیں رہی اور اُس کی امیرانہ محبت کے مقابلہ میں ہم مسکینوں کی غریبانہ محبت کس گنتی میں آسکتی ہے - لیکن خدا کوئی مشکل گھڑی نہ لائے - اگر ایسا وقت آیا تو ہمیں ہی یاد کروگی - اپنے اپنے ہی ہیں خواہ وہ کیسے ہی مفلس ہوں - اور غیر غیر ہی ہیں خواہ کیسے دولتمند ہوں - لڑکی چاہے تمہیں بُرا ہی لگے ہم تو صاف کہے دیتے ہیں کہ تمہارے میاں کی محبت ملمع کی چمک ہے جسے کچھ پائداری نہیں - یہ وہ لہلہاتا سبزہ ہے جس میں سانپ چھپا ہوا - یہ وہ شربت شیریں ہے جس میں ہلاہل ملا ہوا ہے - یہ وہ ریت کی چمک ہے جسے پیاسا آدمی دور سے پانی سمجھا کرتا ہے - بیٹا ایک بات تو تم ہماری بھی آزما دیکھو - تمہارے میاں تمہارے عشق کا تو اتنا دم بھرتے ہیں کہ لوگ تم کو لیلی اور اُن کو مجنوں کہتے ہیں - مگر تم نے نہیں سُنا کہ مجنوں تو لیلی کی کُتیا کا بھی ادب کیا کرتا تھا کیا ہم تمہاری کتیا کا بھی درجہ نہیں رکھتے - تم ایک دفعہ ذرا اپنے میاں سے کہہ کر تو دیکھو کہ جہاں تمہارے اتنے بڑے بڑے خرچ لگے ہوئے ہیں میرے ماں باپ کو بھی یہاں بُلا لو - پھر دیکھو وہ کیسے مجنوں نکلتے ہیں اور بیٹا یوں ہیں وہ بہت چالاک کیا عجب بات کو سمجھ جائیں اور فوراً رضامند بھی ہوجائیں - خیر اگر مجھے بلایا تو میں ممتا کے مارے

چلی تو آؤنگی مگر تیرے میاں کی کمائی کھانی مجھے حرام ہے مگر پھر ڈرتی ہوں۔ مامتا ایسی ظالم ہے کہ اس کی خاطر شائد مجھے حرام خور ہی نہ بننا پڑے۔ تمہیں اپنے میاں کی پاکبازی پر بڑا ناز ہے۔ مجھے تو اُن کی پاکبازی پر اتنا بھی یقین نہیں جتنی اُرد پر سفیدی۔ وہ آدمی بہت چالباز ہیں۔ تم پھولے نہیں سماتی کہ ہر وقت تم سے خلا ملا رہتا ہے۔ اور تم کو اپنے گلے کا ہار بنائے رکھتے ہیں ایک دم کو جُدا نہیں ہونے دیتے۔ جب دیکھو شیر و شکر۔ مگر اے باولی لڑکی اتنا تو سوچو کہ آخر تم چھ سات ماہ کے لئے میرے پاس رہ گئی تھیں۔ جس شخص کا یہ حال ہو کہ ایک شب بے عورت کے نہ رہ سکتا ہو ذرا سوچو وہ چھ مہینے کس طرح رہا ہوگا۔ پس یا تو تمہارے ساتھ یہ دھوم دھام کا شوق سب جھوٹا ہے یا چھ مہینے بے عورت رہنا سراسر جھوٹا ہے۔ ایک بات ضرور ہے۔ ہماری رائے میں تو اصل بات یہ ہے کہ یہ ساری خوشامدیں مہر کے معاف کرانے کی ہیں اور جہاں تو نے یہ کیا اور تو گئی گذری۔ اب کہاں تک تمہیں سمجھاؤں۔ میری نصیحت کی کچھ پروا ہے تو یہ نصیحت یاد رکھو کہ سب چیزیں اعتدال کے ساتھ ٹھیک ہوتی ہیں۔ اس محبت کو محبت نہیں کہتے چھچھورپن کہتے ہیں۔ چند روز میں اپنا وقر کھو دوگی۔ ہم بھی کبھی بہو تھے۔ تمہاری بہنیں بھی شوہر رکھتی ہیں۔ مگر وہ اپنے شوہروں پر ایسی بیہودہ طرح پر دلدادہ نہیں ہیں جس طرح تم ہو۔ اس طرح پر ریجھنا تمہیں بالکل بے عزت کر دیگا۔ آئندہ تم جانو۔ فقط

راقم تمہاری والدہ

بیٹی والوں کو سمجھنا چاہیئے کہ کوئی امرا اُن کی بیٹی کے لئے اس سے زیادہ مفید نہیں

ہو سکتا کہ وہ اپنے شوہر کو پورے دل اور جان سے چاہے اور عزیز رکھے اور اُس کی محبت
کی پوری قدر کرے اور دنیا میں اُس کو اپنا سب سے بڑا خیر خواہ جانے ٭

کبھی کبھی اِن رنجشوں کا باعث یہ ہوا کرتا ہے کہ چونکہ ایک خاندان کی بیٹی کو دوسرے
خاندان نے ستایا تو اگر دوسرے خاندان کی بیٹی پہلے خاندان میں بیاہی جاتی ہے تو یہ
اُن کی بیٹی کو دِق کرتے ہیں اور اپنی بیٹی یا عزیز کا بدلہ لیتے ہیں۔ یہ خیال نہایت کمینہ
اور پاجیانہ ہے اور صرف اُن ناپاک لوگوں کا ہے جو بیوی صرف حیوانی خواہش کے
لئے چاہتے ہیں ورنہ کب ممکن ہے کہ ایک بے قصور نیک سرشت بیوی کو محض اس لئے
ستایا جاوے کہ ان کے کسی عزیز کو دوسرے خاندان والے ستاتے ہیں ٭

اگر اتفاق سے امیر گھر میں کوئی لڑکی غریب گھر کی آجاتی ہے تو اُن کے فقر و فاقہ
و تنگدستی کے طعنہ دے دے کر بیوی اور اُس کے ماں باپ کا دل دُکھایا جاتا ہے
اور ان طعنوں سے شوہر و زوجہ میں سخت تلخی و بے لطفی پیدا ہوتی ہے مگر بیچاری
عورتوں کے لئے ہر طرح مشکل ہے۔ یعنی تنگدستی کے طعنے تو خیر ایک بات ہے۔
ہم نے تو ان مظلوموں کو دولت مندی کے طعنے بھی کھاتے سُنا ہے۔ اور اُن کو
دولت مندی کے طعنوں پر بھی اتنا ہی روتے دیکھا ہے جتنا افلاس کے طعنے پر۔
ایک معزز دولت مند کی بیٹی نے جو کسی غریب گھر بیاہی گئی تھی اپنے ایک عزیز کو
خط لکھا ہے۔ وہ ہمارے ہاتھ آگیا ہے اُس کو یہاں درج کرتے ہیں اس سے ظاہر
ہو گا کہ لڑکیوں کے لئے امیر باپ کی بیٹی ہونا بھی مصیبت ہو جاتا ہے۔ وہو ہذا۔

ایک لڑکی کا خط :-

عزیزۂ من - میں نے ـــ کے گھر میں جو گلچھرے اُڑائے - اور جو چٹورپنے کئے وہ خدا کو معلوم ہیں - مگر اس اللہ کے بندے نے ٹھنڈے پیٹ کبھی گھر میں خرچ نہ دیا - رات دن مجھے امیری کا طعنہ دیتے ہیں - مجھ کمبخت نے اس گھر اچھا کھانا - اچھا پہننا - دنیا کا تر و خشک میوہ سب ترک کر دیا کہ مجھے طعنہ نہ ملے کہ امیرزادی چٹورپن کرتی ہے - اس پر بھی مجھے طعنے ملیں تو کیا کروں - زہر کھالوں ؎

زندگی میں باپ کے جب یہ مری توقیر ہے　　بعد میں پھر دیکھئے دکھلاتی کیا تقدیر ہے

میرا دل پکا پھوڑا ہوگیا ہے بُرا سُنتے سُنتے - جفا سہتے سہتے - کئی روز سے بیمار ہوں - آج کچھ ہوش آیا ہے - میاں مرتی کو بھی گالیاں دے جاتے تھے - میں دوا نہیں پیتی تھی - میں کہتی تھی کہ میں بُری ہوں مجھے مرنے دو تو بھائی نہ وہ مجھے مرنے ہی دیتے ہیں نہ جینے ہی دیتے ہیں ؎

نہ تو نالے کی اجازت نہ فریاد کی ہے　　گھُٹ کے مرجاؤں یہ مرضی مرے صیّاد کی ہے

بھائی یہ جھیکنا آج کا نہیں - تین برس سے یعنے جب سے نکاح ہوا ہے یہ ہی رونا پڑا ہوا ہے - نکاح سے ساتویں روز ہی یہ حکم ملا تھا کہ تم نکل جاؤ میرے گھر سے اپنے باوا کے ہاں جاؤ - بھلے مانسی سے رہنا ہے تو چپ کرکے رہو - اگر یہ پوچھا کہ کہاں جاتے ہو اور رنڈی بازی کیوں کرتے ہو یا شراب کیوں پیتے ہو تو میں تمہارے باوا کو لکھ بھیجونگا کہ تمہاری بیٹی امیرزادی ہے میرے کام کی نہیں - گھُٹنے سے لگائے بٹھا رکھو + + + غرض جو ظلم اِس خاوند کے میں نے سہے ہیں دنیا میں کسی نے نہ سہے ہونگے - تسپر میری ہی قبر میں کیڑے پڑینگے -

مگر ضرور یہ کہونگی کہ جو جو ظلم وستم میں نے سہے وہ قبلہ وکعبہ کی بدولت۔ وہ مجھے ناچ ناچ کر اور کود کود کر کہتے ہیں کہ ہوں! تیرے باوا کو خبر نہیں تھی؟ کیوں دیتے تھے۔ میں شرابی ہوں رنڈی باز ہوں۔ بدمعاش ہوں۔ اپنی ــ کو آپ دی۔ اب بھی اس تحفہ کو رکھ لیں۔ مجھے تیری کیا پرواہے۔ غرض کیا ظلم بیان کروں۔ دل کو سمجھاتی ہوں کہ اے دل جس طرح ہو سکے جہاں اتنی عمر تیر کی اور بھی تیر کردے۔ کسی کو حال لکھنے سے کیا فائدہ۔ کوئی تیرا رنج بانٹ تو لیگا نہیں۔ پس ؎

لازم ہے میری آہ کا شعلہ عیاں نہ ہو　　　اِس طرح جل بجھوں کہ ہرگز دھواں نہ ہو

مگر پھر عزیز من ع کہاں تک کھائیے غم کب تلک ضبطِ فغاں کیجے ــ + + + +

میں نے چار وقت سے کھانا نہیں کھایا تھا۔ آج اُن کو خبر ہوئی تو ناچ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور ایک مُنہ میں ہزار ہزار بات سُنائیں۔ بیگم صاحبہ اگر یہ ہی نخرے کرنے تھے تو آئی کیوں تھی اور ہاں یہ روٹی کیونکر کھائیں۔ اِن کو تو باوا کے گھر کے شیرمال یاد آتے ہیں۔ یہ نواب زادی تو سونے کے جھولنے جھولنا چاہتی ہے۔ ایسا تھا تو باوا کے گھر سے ایک سونے کا چھپر کھٹ لانا تھا۔ یہ یہاں روٹی کیوں کھائیگی۔ اس کی قبر میں کیڑے پڑینگے خدا اِسے خراب اور برباد کرے ایک بات ہو تو کہوں۔ ؎

طعن کے تیروں سے دل چھلنی بنادیتے ہیں وہ　　　بول سکتی میں نہیں۔ لاکھوں سُنا دیتے ہیں وہ

دیتے ہیں طعنہ امیری کا مجھے ہر بات میں　　　غنچۂ دل کو مِرے ہر دم بُجھا دیتے ہیں وہ

بات وہ کرتے ہیں جو مانند نشتر کے چُبھے　　　زخمِ دل پر اور اِک چرکا لگا دیتے ہیں وہ

یاد آتے ہیں انہیں باوا کے گھر کے قورمے　　کھاؤں گر کھانا نہیں۔ تو یہ جتا دیتے ہیں وہ

راقمہ وہ ہی تمہاری دکھیاری بھتیجی

مسلمان مردوں کے اُس وحشیانہ طریق نے جو وہ عورتوں کے ہمراہ جائز رکھتے ہیں عیسائیوں کے دلوں میں ایک عجیب غلط خیال اسلام کی نسبت پیدا کر دیا ہے جو اُن کی تصانیف میں بھی پہنچ گیا ہے۔ عیسائیوں نے سمجھا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب کے رو سے عورتوں میں روح نہیں ہوتی۔ اِس غلطی کا منشاء و مبنی صرف یہ ہی امر ہے کہ مسلمان مردوں کا طریق عورتوں کے ہمراہ اِس قسم کا ہے جیسا انسانوں کا غیر ذی روح حیوان کے ساتھ ہوا کرتا ہے۔ کبھی یہ خرابیاں اِس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ بی بی بوجہ تعلیم یافتہ نہ ہونے کے صرف امور خانہ داری کے انتظام اور پیدائش اولاد کا ذریعہ ہوتی ہے یعنے وہ خدمتگار اور مادہ حیوان سے زیادہ رتبہ نہیں رکھتی اور تعلیم یافتہ شخص کی روحانی خواہشوں کے پورا کرنے اور خوش خیال رفیق بننے کے قابل نہیں ہوتی لاچار مرد ازدواج ثانی یا فسق فجور کی طرف مائل ہوتا ہے اور دونوں سے بہت بُرے بُرے نتائج اور تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں اور تمام عمر عجب کلفت میں گذرتی ہے۔ مگر سب سے زیادہ ان خرابیوں کا موجب یہ ہوتا ہے کہ نکاحِ مروجہ کے رُو سے بی بی حسب خواہش و پسند خاطر نہیں ملتی اور فریقین ازدواج طوطی را با زاغے در قفس کروند کا مصداق بنتے ہیں۔ کوئی مصیبت زدہ صبر کے ساتھ اپنی پرآشوب زندگی کو جوں توں کر کے تیر کر دیتا ہے۔ کوئی تیز مزاج اپنے گھروں میں کسبیاں ڈال کر اپنے اُن ناعاقبت اندیش بزرگوں کو جنھوں نے اُس کو بلا مرضی آفت میں پھنسایا داجبی سزا دل آزاری کا دیتا ہے۔ اُن سب آفات کی روک اُن اصلاحات

سے ہوسکتی ہے جو اوپر مذکور ہوئیں۔ مگر بعض لوگ یہ راے رکھتے ہیں کہ عورت کو عام طور پر گو کچھ حقوق حاصل ہوں مگر بیوی بن جانے کے بعد وہ ایک طرح کی مملوک بن جاتی ہے اور اس لئے وہ گوارا نہیں کرتے کہ بعد نکاح اُس کے ساتھ طریق مساوات مرعی رکھا جاے۔ اس قسم کے لوگوں میں یہ بات نہایت شرم کی شمار ہوتی ہے کہ عورت کو ہمسری کا رتبہ دیا جاے بلکہ جو لوگ اپنی بیبیوں کے ساتھ درجہ مساوات برتتے ہیں اور اُنکو ہر طرح پر اپنی برابر آرام دیتے ہیں اُن کو وہ طرح طرح کے حقیر ناموں مثلاً "جورو سے دبنے والے" اور "جورو کے غلام" سے یاد کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص بی بی پر حاکمانہ رعب داب نہیں رکھتا یا جس کی طرز گفتگو میں اتنا اثر نہیں کہ اُس کو سُن کر بی بی تھرّا اُٹھے وہ مرد ہی کیا ہے۔ میں نے ایک نہایت معزز شریف مسلمان کو دیکھا جن کا یہ قاعدہ تھا کہ جب وہ اپنے گھر میں جاتے تو ہمیشہ کسی جھوٹی سچی بات پر کسی نوکر وغیرہ پر خوب خفا ہو لیتے اور بکتے اور جھڑکیاں دیتے ہوئے گھر میں چلے جاتے اِس سے اُن کی غرض یہ تھی کہ اُن کا غضبناک انداز دیکھ کر گھر کی عورتیں سب خوف زدہ ہو جائیں۔ ایک اور معزز عہدہ دار کا گھر میں جانے کا طریق یہ تھا کہ وہ کبھی گھر میں ہنس کر کسی سے بات نہ کرتے تھے۔ اور بہت مختصر بات چیت کرتے تھے تاکہ اُن کے رعب میں کمی نہ آجاے۔ وہ کھانا کھانے کے سوا اور کسی وقت گھر میں نہیں جاتے تھے۔ جب وہ گھر میں جاتے تھے تو سب عورتیں اپنے اپنے قرینہ پر مودبانہ خاموش بیٹھ جاتی تھیں۔ اُن کی بی بی اور بیٹیوں کی مجال نہ تھی کہ اُن سے کسی شے کا سوال کریں خواہ وہ کیسا ہی واجبی ہو۔ اُن کی ہر حاجت کا پورا ہونا اُنہیں سرپرست خاندان کی خود مختارانہ خوشی پر تھا جس کا وہ اکثر

بیرحمی سے استعمال کرتے تھے۔

اس طبقہ کے بعض لوگ ایک نہایت شرمناک تمیز قائم کیا کرتے ہیں یعنے وہ اپنے لئے عمدہ نفیس کھانا علیحدہ تیار کرواتے ہیں اور عورتوں کے لئے ادنے درجہ کا علیحدہ تیار ہوتا ہے

بعض لوگ اپنی بیبیوں اور لڑکیوں کو پوشاک اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایسی ذلیل پہناتے ہیں کہ اُس بیحد خست کے چھپانے کے لئے اُنہیں ایک اور جابرانہ قاعدہ باندھنا پڑتا ہے کہ وہ کہیں برادری میں نکلنے نہ پائیں اور نہ برادری کی کوئی عورت اُن کے گھر آنے پائے۔

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ غربا میں نکاح کا اصول یہ ہے کہ روٹی ٹکرہ کا آرام ہوجاے اور تسلیم کیا ہے کہ اس طبقہ میں یہ اصول قابل اعتراض نہیں۔ مگر اس طبقہ کے مروجب تعلیم میں کوشش کر کے یا اور اسباب سے ترقی حاصل کر کے اپنے سے اعلےٰ طبقہ میں پہنچ جاتے اور عزت میں برتری اور مال میں فراخی اور وسائل معاش میں وسعت حاصل کر لیتے ہیں تو عموماً یہ دستور ہے کہ وہ اپنی اِن ترقیوں کی متناسب ترقی مستورات کی حالت میں نہیں کرتے۔ اُن کی غریبانہ ومفلسانہ حالت اُسی طرح غیر متغیر وغیر متبدل رہتی ہے۔ تعلیم کے درجوں اور فضیلت کے اسناد اور عہدہ کی عزت سے جو کچھ تہذیب وشائستگی حاصل ہوتی ہے اور طریق معاشرت میں جو جو آرام پیدا ہوتے ہیں اور خوراک ولباس میں جو جو لطافت ونفاست اختیار کی جاتی ہے اُس کی سرحد زنانے مکان کی دہلیز ہے۔ میں ایک موسم گرما میں ایک نہائت معزز ومتمول رئیس کے گھرانے میں مہمان ہوا۔ جون کا مہینا تھا اور اِس قدر غیر معمولی شدت سے گرمی پڑتی تھی کہ بڈھے آدمی کہتے تھے کہ سالہا سال کے بعد ایسی گرمی ہوئی ہے۔ مجھے نہایت

تکلف سے میرے میزبان دوست نے ایک نہایت آرام کے وسیع کمرے میں جو اُس موسم میں خاندان
کے کل مردوں کا خوابگاہ تھا اُتارا۔ کمرہ کو سرد رکھنے کے جس قدر سامان تھے سب موجود تھے۔
پنکھا قلی پنکھے کھینچتے تھے۔ خس کی ٹٹیاں لگی ہوئی تھیں اور سقے اُن کو ذری سی دیر میں
چھڑکتے تھے۔ کمرہ کی چھت بھی نہایت بلند تھی مگر ہم لوگ مارے گرمی کے سخت بے چین تھے۔
مجھے اُس وقت نہایت جستجو اِس امر کے معلوم کرنے کی ہوئی کہ ایسی حالت میں مستورات کے آرام کا
کیا سامان کیا گیا ہے۔ مجھے اِس امر کے معلوم ہونے سے سخت تکلیف پہنچی کہ بیچاری بے زبان
عورتوں کے لئے جن کی گود میں معصوم بچے بھی ہیں کھجور کے پنکھوں کے سوا اور کوئی سامانِ راحت
نہیں ہے۔ پنکھے بھی آدمیوں کی تعداد کی برابر نہیں تھے بلکہ کم ہونے کی وجہ سے باری باری
استعمال میں آتے تھے۔ دوپہر کے وقت دیوانخانہ میں برف منگائی گئی اور سب نے پانی ٹھنڈا
کرکر کے پیا۔ باوجود تمام انتظام اخفا کے اُس برف کی خبر گھر میں بھی جا پہنچی اور چند بچے
بلبلاتے دوڑے آئے۔ اُن بچوں کو نہایت سرد مہری کے ساتھ بہلا پھسلا کر گھر میں
واپس بھیجا۔ تیسرے پہر کو وہ برف بہت گل گئی اور جس کپڑے میں وہ لپٹی ہوئی تھی وہ
بالکل بھیگ گیا۔ اِس پر صاحبِ خانہ نے نوکر کو حکم دیا کہ اِس کو گھر میں بھیج دو۔ مگر اے ناظرین
اِس لئے نہیں کہ اُسے عورتیں اور بچے پی لیں۔ بلکہ اِس لئے کہ خشک کپڑے میں لپیٹ کر
دیوانخانہ میں واپس بھیجیں۔ جو تکلیف میرے دل کو پہنچی تھی وہ اِس شرمناک بیرحمی سے ایسی
دردناک ہوگئی کہ مجھے وہاں قیام کی زیادہ تر برداشت نہ ہوسکی۔ میں نہیں جانتا کہ جن کی
پیاری بہنیں۔ اور دلسوز بیبیاں اور لختِ جگر بیٹیاں شدت کی گرمی میں مٹکوں کا معمولی

پانی پئیں اُن یزید منشوں کی حلق سے برف کا پانی کس طرح اُترتا ہے اور جن کے لخت جگر
گرمی سے تڑپیں اُن کا کلیجہ اپنی تن رسانی سے کس طرح ٹھنڈا ہوتا ہے۔ کیا عجب ہے کہ
بعض ذکی الطبع اپنے وحشیانہ سلوک کی تائید میں یونانی حکمت پیش کریں جس کے رو سے
عورات کا مزاج طبعًا بارد واقع ہوا ہے اور شائد یہ برودت سخت سے سخت گرمی کے
مقابلہ کے لئے کافی سمجھی جائے۔ گو یہ رکیک جواب لطیفہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا مگر
پھر اس امر کا کیا جواب ہوگا کہ جب وہ جاڑے میں خود بانات اور کشمیرے اور مالیدہ اور پٹو
پہنتے ہیں اُن بارد مزاج مخلوق کو جو جاڑے میں اور بھی اشد البرودت ہو جاتی ہونگی اپنے سے
گرم کپڑا کیوں نہیں پہناتے۔ بہت شاذ و نادر خاندان ہونگے جن میں بھائی اور بہنوں۔ باپ
اور بیٹیوں اور شوہر اور بیبیوں کا ایک قسم کے گرم کپڑے کا لباس ہوتا ہو۔ دیہات و قصبات
میں ماہ پوہ کے جاڑے میں بھی عورتوں کے لباس میں صرف اس قدر ترمیم ہوتی ہے کہ
چھینٹ کے کرتوں کے نیچے ململ کا استر لگا کر اُن کو دوہرا کر دیتے ہیں۔ پاجامہ معمولی چھینٹ
کا اکہرا رہتا ہے اور صبح شام دولائی یا رضائی اوڑھ کر چارپایوں پر اسباب کے پوٹ بن کر
بیٹھ جاتی ہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس قسم کے سلوک وحشیانہ اور خلاف انسانیت و مروت
نہیں ہیں اور کیا اس سے بڑھ کر نالائقی تصور میں آسکتی ہے۔ ہمارا یہ ہرگز مقصد نہیں کہ جن
بیچارہ آفت زدوں کو مقدور نہیں ہے وہ عورتوں کی جڑاول کے لئے مقروض بنیں بلکہ ہم
صرف اتنا جتلانا چاہتے ہیں کہ ہر ایک ذی مقدور صاحب استطاعت باپ جو بیٹا اور بیٹی
رکھتا ہے وہ خود سوچے کہ ہر جاڑہ کے لباس میں وہ بیٹے اور بیٹی دونوں پر یکساں خرچ کرتا

ہے۔ کیا اِس وجہ سے کہ لڑکیاں گھر میں چھپی رہنے والی ہیں اور شریعت کے پردہ کو توڑ
کر اُن کا لباس بھی داخل پردہ کر دیا گیا ہے یہ بدسلوکیاں اور بیرحمیاں مدعیانِ ہمدردی
کے کانوں تک نہ پہنچائی جائینگی۔ کیا اِس وجہ سے کہ اُن کی زبان کو داخل پردہ کر کے انہیں
بے زبان کر دیا گیا ہے اُن کی فریاد کی شنوائی نہ ہو سکیگی؟

اِن تمام خرابیوں کا علاج مردوں میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم کا پھیلانا اور اُن میں نیک
خیالات کا پیدا کرنا ہے۔ عورتوں کے حقوق قائم نہیں ہو سکتے اور اُن کی حفاظت نہیں ہو سکتی
اور اُن کی حفاظت نہیں کی جا سکتی اور جو ظالمانہ بدسلوکیاں اُن کے ساتھ کی جاتی ہیں وہ
رک نہیں سکتیں اور اُن میں ادنےٰ ترین درجہ کی تعلیم ذرا بھی ترقی نہیں پا سکتی تا وقتیکہ مردوں
میں اعلےٰ درجہ کی تعلیم نہ پھیلائی جاوے اور اُس تعلیم کے ذریعہ سے ان امور کی ضرورت
اُن کو ذہن نشین نہ ہو جاوے اور نہ صرف یہ تعلیم ہی کافی ہوگی بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ اعلےٰ
اخلاقی تربیت اور نیک صحبت کی ضرورت ہے جو اُن کے دلوں کو سچائی اور نیک دلی
کے سانچہ میں ڈھال دے۔ جس سے اُن کے دل پاکیزہ خیالات اور نیک جذبات کے
ساتھ ایسی مناسبت پیدا کر لیں کہ وہ اُس کے آرام و خوشی کے ضروری شرط بن جائیں۔
جب تک اس قسم کی تعلیم سے ہماری قوم کے مردوں میں روشن دماغی اور نیک تربیت
سے اُن کے دلوں میں خدا ترسی پیدا نہ ہوگی کیا ممکن ہے کہ یہ ہماری چند سطور اُن کے صفحۂ
دل پر کوئی گہرا نقش بنا سکیں اور اُن کی طبیعتوں کی ماہیت کو بدل سکیں ہمارے ان اوراق
کو اگر کوئی پڑھنے والے ہونگے تو وہ ہی جن کو اعلےٰ تعلیم اور نیک تربیت نے اُس انقلاب

کے لئے جس کی ہم نے تجویز کی ہے مستعد کر دیا ہے۔ ساتھ ہی اس کے ہم ضرور سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں پر عورات کی تمدنی حالت میں انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت روشن ہو گئی ہے وہ منتظر نہ رہیں کہ اور لوگ بھی اُن کے ہم آہنگ ہوں تب وہ اپنے یقین و وثوق پر کاربند ہوں بلکہ چند نیک اور پاکیزہ خیال والوں کے عمل خود اپنا قدرتی اثر دیکھنے والوں کے دلوں پر کرینگے اور اُن کو بھی اسی طریق عمل کا گرویدہ بنائینگے۔ مگر ہاں ازبس ضرور ہے کہ جن لوگوں پر عورات کی تمدنی حالت کو شریعت کی راہ پر لانے کی ضرورت اور موجودہ گمراہی کی بیحد مضرت واضح ہو چکی ہے اُن لوگوں کو اپنے باہمی اتفاق رائے سے اپنی جمعیت کو قوی اور موثر بنانا چاہیئے اور اپنے وضع و اطوار اور چلن کو شریعتِ محمدی کا اعلےٰ نمونہ بنانا چاہیئے جو اور لوگوں کی تقلید کے لئے عمدہ مثال ہو۔ انسان کو کسی کام کے کرنے اور کسی کام کو ترک کرنے پر نیک مثال سے زیادہ کوئی شے ترغیب دینے والی نہیں۔ بجائے اس کے کہ کسی نیک کام کے فائدے دلائل سے ثابت کرو اور طول طویل تقریریں کرو اور لوگوں کو اُس کے اختیار کرنے پر مائل کرو تم خود اُس پر عمل کرو اور دنیا کو دکھلاؤ کہ احکام شرعی کی ٹھیک متابعت سے کیا کیا دینی اور دنیاوی فائدے تم کو حاصل ہوئے اور لوگ خود تمہاری پیروی کرینگے۔ کس شخص نے ریل پر سوار ہونے کے فائدوں کو دلائل سے ثابت کیا تھا کہ تمام خلقت اُس پر سوار ہوتی ہے؟ کس شخص نے بجائے دیسی کپڑے کے انگریزی کپڑا پہننے کی ضرورت پر تقریر کر کے لوگوں کو سمجھایا تھا کہ خاکروب تک انگریزی کپڑا پہنتے ہیں؟ لوگوں نے ریل پر سوار ہونے والوں کو منزل مقصود پر جلد پہنچتے دیکھا

اور وہ بھی سوار ہونے لگے۔ انگریزی کپڑا پہننے میں کفائت پائی اور وہ انگریزی کپڑا پہننے لگے۔ اسی طرح جب وہ طریق شرعی کی متابعت میں لوگوں کو خوش حال اور شادماں پائینگے وہ خود پیروی کرنے پر راغب ہونگے ٭

مگر اُن خرابیوں کے سوا جن کی روک کے لئے ہماری اوپر کی نرم تدابیر کا اختیار کرنا کافی ہوگا بعض نالائق مردوں کی ایسی کمینہ حرکات اور ایسے بیدردی کے سلوک ہیں کہ اُن کے انسداد کے لئے ہم گورنمنٹ کی مداخلت مناسب سمجھتے ہیں۔ ہم نے بہت سے سفید پوشوں کو جو سررشتہ داری اور تحصیلداری کا معزز رتبہ رکھتے ہیں جن کی معقول آمدنیاں ہیں اور متعدد خادم ہیں اپنی بیبیوں اور بہو بیٹیوں سے چرخہ کتواتے اور دھان کٹواتے اور چکّی پسواتے دیکھا ہے۔ اِس سے کم معزز سفید پوشوں کو جو اپنی شرافت و نجابت کے ثبوت میں گز گز بھر لمبے شجرے رکھتے ہیں دیکھا ہے کہ ذرا ذرا سی بات اور ادنے ادنے رنجش پر اپنی بیبیوں کو چوٹی پکڑ کر گھسیٹتے اور آئے دن جوتیوں سے پیٹتے ہیں۔ ہانڈی میں نمک تیز ہوگیا ہے اور بی بی کو مغلظ گالیاں دی جا رہی ہیں۔ کپڑے سینے میں ذرا جھول رہ گیا ہے اور بیچاری اُس شریف نا بدمعاش کی لاتیں کھا رہی ہے۔ سیکڑوں عفیفہ بیبیاں اور اشراف زادیاں جن کو دوسری ادنے درجہ کی عورتوں کے روبرو جوتیوں کی مار پڑتی اور چوٹی پکڑ کر گھسیٹا جاتا ہے جن کو خفیف جرم پر فاقہ کی سنگین سزا دی جاتی ہے وہ برادری میں مُنہ دکھانے کے قابل نہیں رہتیں۔ کوئی ہمدرد و غمخوار اُن کی دلجوئی نہیں کرتا۔ کسی کو مجال نہیں کہ اُس خود مختارانہ حکومت میں جو ملک کے رواج نے چاردیواری کے اندر

ہر شخص کو دے رکھی ہے دخل دے ۔ غرض بہتیری اشراف زادیاں رنج وغم میں گھل گھل کر مدقوق و مسلول ہو کر طعمۂ اجل ہوتی ہیں ۔ بہتیری نازک مزاج جو عمر بھر کا جلا پا سہنے کی طاقت نہیں رکھتیں افیون کھا کر یا سنکھیا کھا کر اس پر آفات زندگی کا خاتمہ کرتی ہیں کوئی اس بیباکی اور جرات سے جو بیحد سختی و ظلم سے بزدل انسان میں پیدا ہو جاتی ہے کنوؤں میں کود پڑتی ہیں ؛

ایک ہمارے نہایت لائق دوست ہیں جو علم کے لحاظ سے فاضل مولوی ۔ تہذیب کے لحاظ سے نیچری ۔ عزت کے لحاظ سے وکیل ۔ اور ہمارے جانی دوست ۔ مگر وہ خدا کا بندہ بیوی کے حق میں ایسا ظالم ایسا نالائق ایسا بیدرد جس کا بیان نہیں ہو سکتا ۔ خدا کا شکر ہے کہ اُن کی مظلوم بیوی ہمیشہ کے لئے اُن سے چھوٹ گئی اور ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں شریروں کی شرارت اور ستمگاروں کے ستم کی رسائی نہیں ۔ ہمارے دوست کا گھر اُس مسکین سے آباد نہ ہوا تو اُس نے قبر کے کونے کو جا آباد کیا ؛

ہمارے اُس دوست کا بیان ہے کہ جب کھانا بدمزہ پکا کرتا تھا تو اُس کے لئے دو سزائیں مقرر تھیں ۔ شدید سزا یہ تھی کہ جلتی لکڑی چولھے میں سے نکال کر اُس سے اُس مظلوم کو زد و کوب کرتے تھے ۔ دوسری خفیف سزا یہ تھی کہ دوپٹہ سر سے اُتار کر اور چوٹی پکڑ کر تمام دیگچی کا شوروا اُس کے سر پر بہا دیا جاتا تھا ۔ اور اُس مظلوم نے ان تمام شدائد پر مرتے دم تک اُف نہیں کی ۔ کبھی شوہر کو سخت کیا نرم بھی جواب نہیں دیا ؛

ظالم شوہر کو حقہ کا بہت شوق تھا ۔ اور وہ عاجز بڑے شوق سے اُس بیدرد کو حقّے

بھر بھر کے پلایا کرتی تھی۔ رنجوں اور مصیبتوں نے اُس کا پھیپھڑا چھلنی کر دیا اور وہ شہید دِق وسِل ہوئی۔ موت سے پہلے سب طاقتوں نے جواب دے دیا اور اُس کا شوہر جو ہمیشہ اُس کو ستانے اور دل دُکھانے پر کمربستہ رہتا تھا آخر انسان کا بچہ تھا۔ دل نرما گیا۔ ارادہ کیا کہ اِس چلتے مہمان کی کچھ خاطر کروں۔ رات کو پٹی کے نیچے بیٹھا تیمارداری کیا کرتا تھا کہتے ہیں کہ جب وہ حقہ بھرتا تھا تو یہ بیمارِ غم بیچین ہو جاتی تھی اور اصرار کرتی تھی کہ مجھے نیچے اُتار دو بصد مشکل نیچے اُتاری جاتی۔ اپنے کانپتے ہوئے ہاتھوں سے حقہ بھرتی تھی اور کہتی تھی کہ جب تک دم میں دم ہے میں اپنی آنکھوں کے روبرو آپ کو یہ تکلیف نہ کرنے دونگی آخر جب تیل ختم ہو چکا اُس مظلوم کا چراغِ حیات بجھ گیا +

ایک ہمارے عزیز ہیں جن کے ناپاک استقلال کا کیا ذکر کیا جاے۔ اُن کی بیوی نے اُن کی والدہ کا کوئی کہنا نہ مانا تھا۔ اِس پر اُنھوں نے عہد کر لیا کہ میں کبھی تم سے نہ بولونگا۔ اُس کی پُر آشوب زندگی کو بھی سِل نے ختم کیا۔ وہ چونکہ ہمارے عزیز تھے اور خُرد تھے اور اُن کی اِس نالائقی پر ہمیں بہت رنج ہوا ہم نے اُنہیں ایک خط لکھا تھا جس کی نقل یہ ہے :۔

ہمارا خط ایک عزیز کو

ظالم و بیدرد بھائی۔ تمہیں بے انتہا قلق ہو رہا ہوگا کہ آخر قضا و قدر نے تمہارے مشقِ ستم کا خاتمہ کر دیا۔ اب تمہارے جفا گر ہاتھ کس کے دل و جگر میں ہر روز کوچے دیا کرینگے۔ اور اب کس بیگناہ کو ستا کر اپنا دل خوش کیا کرو گے اور کس بے تقصیر کا خون پیا کرو گے +

میں نے سُنا ہے کہ تم اُس مسافر چند ساعت کو بستر مرگ پر چھوڑ کر چلے گئے۔ ہاے بیدرد۔

حیف ہے تمہاری انسانیت پر۔ میں نے سنا ہے کہ پرانے زمانے میں جادوگر اور ڈائن ہوتی تھیں جو انسان کا کلیجہ کھا جاتی تھیں مگر پھیپھڑے کا کھا جانے والا انسان تو ہماری بدنصیب آنکھوں نے خود دیکھ لیا۔ موت و زندگی کا اختیار اللہ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ اگر اللہ تعالےٰ ایک لحظہ کے لئے مجھے یہ اختیار دے اور قلب ماہیت کی قدرت بخش دے تو سب سے اول میرا یہ کام ہو کہ میں تمہاری بی بی کو زندہ کروں۔ اور اس کو مرد بنا کر شوہر بناؤں اور تم کو اس کی بیوی اور یہ حکم دوں کہ وہ پچاس جوتے صبح اور پچاس جوتے شام تا زندگی تمہارے سر پر لگایا کرے؎

اے ناخدا ترس تجھ کو اتنی توفیق نہ ہوئی کہ اس مسافر سے آخری ساعت میں اپنی تقصیریں معاف کراتا اور اس وداعی وقت میں ہی اس کی دلداری کرتا۔ اور اپنا مغرور سر اس کے ناتوان قدموں پر رکھ دیتا۔ اے ظالم یہ خونِ بیگناہ رائگاں نہ جائیگا۔ ہوشیار رہ۔ اور جلد تلافی کر۔ اس کی قبر پر جا۔ اور جس کو عمر بھر پیار نہ کیا اب اس کی خاک کو چوم اور آنسوؤں سے تر کر اور بقیہ عمر رونے اور توبہ کرنے میں بسر کر مگر کیا توبہ قبول ہوگی بغیر اس کے کہ اپنی خود بین آنکھوں میں انگلیاں ڈال کر ڈیلے نکال ڈالے۔ اور اپنے بیدرد دل میں خنجر مار کر خودکشی کرلے۔ میں اپنی کیا کہوں۔ رنج و غم سے میری حالت خراب اور دل بیتاب ہے۔ اس حالت میں میں نے اگر کچھ سخت کہا ہو تو معاف کرنا۔ والسلام فقط

تمہارا دل افگار بھائی ممتاز علی

کیا مظلوم مخلوق پر یہ ظلم و بیداد ہوگی اور ادنے ادنے نالائق پاجیوں کی تنک مزاجیاں

سیکڑوں بیگناہ لڑکیوں کا خون کریگی اور چار دیواری کے پردہ میں عاجز بیکس بے وارث عورتوں کے سروں پر جوتیاں ماری جائینگی اور تمام تعلیم یافتہ خلقت خاموش رہیگی؟ کیا ان ستم رسیدوں کی صدائے الم واضعانِ قانون کے کانوں تک نہ پہنچیگی؟ کیا قانون انصاف عورتوں کے ستی ہونے کو جو گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے جلنے کا عذاب تھا موقوف کرکے عورتوں کے عمر بھر کے جلاپے کو قائم رکھیگا؟ ہم صاف کہتے ہیں کہ رحمدلی اور انسانیت اور عقل اور انصاف اور سب سے زیادہ شریعت سب کا اتفاق ہے کہ ایسے پاجیوں کی پردہ گاہوں کو حکماً توڑا جائے ٭

گورنمنٹ کو ان امور میں دخل دینے کے وہ ہی وجوہات ہیں جن کے رو سے رسم ستی موقوف کی گئی اور قانون رضامندی منظور کیا گیا۔ باقی رہا یہ کہ وہ مداخلت کس طرح کی جائے اُس کی نسبت ہماری یہ درخواست ہے کہ مجلس واضعانِ قوانین ایک قانون براد انسداد اُن خرابیوں کے جو ناموافقت زوجین کی وجہ سے ظہور میں آتی ہیں منظور کرے اور اُس ایکٹ کا نام ایکٹ خلع عورات اہل اسلام ہند رکھا جائے۔ اس ایکٹ کے رو سے اس امر کے ثبوت پر کہ شوہر زوجہ کے ساتھ نامعقول سلوک کرتا ہے یا اس امر کے ثبوت پر کہ بوقت نکاح عورت کی آزادانہ رضامندی حاصل نہیں کی گئی تھی برطبق درخواست زوجہ اُس کے حق میں ڈگری خلع باداے حق مہر جو شوہر نے ادا کیا ہو صادر کی جائے۔ خلع کا حکم اہل اسلام کی جملہ کتب فقہ میں موجود ہے۔ اور ملک عرب میں برابر اس پر عمل ہوتا ہے پس مسلمانوں کی عورتوں کو ایسے فقہی حکم کی حفاظت سے محروم کردینا ایسا ظلم نہیں ہے جو

لوگوں کا ظلم شمار ہو بلکہ گورنمنٹ کا ظلم سمجھا جاتا ہے۔ مذہب اسلام کے رو سے خلع کا اختیار بذریعہ قاضی عمل میں آتا ہے۔ چونکہ کل اختیارات فوجداری جو اہل اسلام کی حکومت میں بذریعہ قاضی عمل میں آتے تھے وہ اب گورنمنٹ کی طرف منتقل ہوگئے ہیں اس لئے گورنمنٹ کو اختیار خلع بھی جس سے ہزارہا بدسلوکیوں کا انسداد ہوجائیگا اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے۔ ہمیں امید ہے کہ گورنمنٹ جو عورات ہند کی درستی حالت کے لئے بہت کوشش کر رہی ہے اس امر پر غور فرمائیگی اور وہ اُن حقوق کو زندہ کرنا جو شریعت اسلام نے عورات کو عطا کئے ہیں سب سے عمدہ ذریعہ اُن کی اصلاح کا سمجھیگی *

قبل اس کے کہ ہم معاشرت زوجین کی فصل ختم کریں چند امور ایسے بیان کرنے چاہتے ہیں جن کی نگہداشت سے شوہر و زوجہ میں محبت بڑھنے اور رنجشیں پیدا نہ ہونے کی بہت توقع ہے۔ شوہر اگر امور ذیل کا لحاظ رکھیگا تو غالب قیاس یہ ہے کہ بیوی ہمیشہ خوش رہیگی اور اُن کا گھر رنجشوں سے محفوظ رہیگا *

(۱) اپنی حیثیت کے موافق پوشاک اور زیور میں کوتاہی نہ کرے۔ عموماً مستورات مردوں کی نسبت زیادہ کفایت شعار ہوتی ہیں۔ وہ کبھی اپنے شوہروں کا قرض دار ہونا یا اُن کے مال میں اسراف پسند نہیں کرتیں۔ اُن کی درخواست زیور وغیرہ کی نسبت ایسی صورتوں میں ہوتی ہے جب شوہر بدرویہ ہوتا ہے اور بیجا اسراف کرتا رہتا ہے اور خاص بیوی کے اخراجات میں کفایت شعار بن جاتا ہے *

(۲) جو روپیہ پیسہ خرچ کے لئے بیوی کو دیا جاتا ہے اُس کے حساب طلب کرنے میں

تشدد ہرگز نہیں چاہیئے خصوصاً ایسے شبہات سے کہ میری بیوی اپنے بھائی بندوں کو کچھ دیتی ہے بہت احتراز کرے یہ شبہے بہت بے لطفی پیدا کرتے ہیں ۔

(۳) عورت کے چال چلن کی نسبت ہمیشہ بدظن رہنا بہت ہی بُری عادت ہے جسے شوہر کا دل بھی جلتا رہتا ہے اور بیوی کا بھی۔ ذرا ذراسی بات پر شبہ کرنا تو بہت بڑی بات ہے جناب رسول خدا کا یہ دستور تھا اور اوروں کو بھی یہ ہی فہمائش تھی کہ جب تم سفر سے آؤ تو یکایک گھر میں مت آؤ۔ بلکہ اپنے پہنچنے کی اطلاع کرکے آؤ۔ اور نیز فرمایا کرتے تھے کہ عورتوں کی جاسوسی مت کرتے رہو۔ میاں بیوی کی رنجشوں کا بہت ساحصہ اس بدظنی سے پیدا ہوتا ہے ۔

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا طال احد کم الغیبۃ فلا یطرق اھلہ لیلا۔ بخاری

(۴) محبت ووفاداری کا امتحان نہ کرے۔ بعض مرد اپنی بیویوں کا طرح طرح سے امتحان کرتے ہیں مثلاً کہا کہ مجھے اس طرح ایک غیر معمولی خرچ پیش آگیا ہے تم اپنا زیور دو تو میں رہن رکھ کر روپیہ لے لوں۔ اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ دیکھیں بیوی ہماری ضرورت کا کہاں تک خیال رکھتی ہے اور ہماری تکلیف کا دور کرنا زیور پہننے پر مقدم رکھتی ہے یا نہیں۔ اس قسم کی آزمائشیں ہرگز مناسب نہیں نہ مرد کو عورت کے ساتھ نہ عورت کو مرد کے ساتھ۔ ہمیشہ حسن ظنی سے کام لینا چاہیئے ۔

(۵) میاں بیوی میں اگر اتفاقاً کوئی ناچاقی پیدا ہو جائے اور شوہر بیوی پر خفا ہو یا غصہ کے الفاظ سے کام لے تو اس بات کا خیال چاہیئے کہ خادمہ یا دیگر مستورات کے سامنے اس طرح

نہ کیا جائے بلکہ تنہائی میں جو چاہے کہے۔ سب کے روبرو کہنے سے بیوی کی وقعت میں فرق آتا ہے اور اُس کو اپنے ہمچشموں میں خفت اُٹھانی پڑتی ہے جس کا اُس کو ہمیشہ رنج رہتا ہے ؁

(۶) گھر میں جو مامائیں یا انائیں ملازم ہوتی ہیں اُن سے آرام یا تکلیف خود مستورات کو ہی زیادہ پہنچتی ہے وہ گھر کی بیوی کے ہاتھ پانو ہوتے ہیں جن سے وہ کام لے کر اپنے شوہر کو آرام پہنچاتی ہیں۔ پس کسی خادمہ کے رکھنے یا موقوف کرنے پر مرد کو کوئی اصرار مناسب نہیں ہے۔ کسی خاص خادمہ کی طرفداری کرنے سے بیوی کو ضرور کچھ نہ کچھ شبہ شوہر پر ہوتا ہے جس کا پیدا ہونا اچھا نہیں ہے۔ ایسی عورتیں شاذ و نادر ہیں کہ شوہر پر ایسی بدظنی سے بچیں۔ یہ بدظنی کی عادت خود مردوں کے چال چلن نے پیدا کی ہے جس کا خمیازہ کچھ زمانہ تک ہمکو صبر سے بھگتنا چاہئے ؁

(۷) ایک بڑا بھاری سبب ناموافقت زوجین کا یہ ہوتا ہے کہ شوہر و زوجہ اپنے اپنے اقربا کے ساتھ تعلق اعتدال سے نہیں رکھتے اور بلکہ رکھنا بھی نہیں چاہتے۔ مثلاً بیوی چاہتی ہے کہ شوہر اپنے سب عزیزوں کو میری خاطر چھوڑ دے۔ اسی طرح شوہر چاہتا ہے کہ بیوی جو کچھ دل میں محبت رکھتی ہے سب مجھ پر خرچ کرے۔ اِس کے دل میں کسی دوسرے کی جگہ نہ ہو۔ مگر یہ خواہشیں ناجائز اور خلاف فطرت ہیں۔ ہر شخص کا ہر عزیز کے ساتھ جُدا جُدا تعلق اور جُدا جُدا حقوق ہیں اور وہ تلف نہیں کئے جا سکتے۔ اس کا امتحان زوجین اپنی اپنی حالت میں خود کر لیں۔ مثلاً بیوی اگر اپنی نند سے ناراض ہے اور یہ چاہتی ہے کہ شوہر اپنی ہمشیرہ سے قطع تعلق کر دے تو اُس کو سوچنا چاہئے کہ اگر ایسی ہی فرمائش شوہر مجھ سے کرے تو کیا میں

اپنی بہن کو چھوڑ دونگی۔ اگر وہ اپنی بہن کو نہیں چھوڑ سکتی تو شوہر اپنی بہن کو کس طرح چھوڑ دیگا۔ یہ اصول تقریباً سب جگہ کام آتا ہے اور اگر فریقین نزاع اس بات کو مدنظر رکھا کریں کہ جو بات ہم دوسروں سے چاہتے ہیں اگر ایسی ہی حالت میں وہ ہم سے یہ بات چاہیں تو ہم بھی منظور کر سکتے ہیں یا نہیں تو کوئی نزاع طول نہ پکڑے اور ہر رنجش کا باسانی فیصلہ ہو جایا کرے۔

(۸) شوہر و زوجہ میں کسی امر یا عادت کی ناپسندیدگی پر جو رنجش پیدا ہوتی ہے تو بعض اوقات مرد یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ اگر ہم ایسے تھے تو تم نے ہم سے نکاح ہی کیوں قبول کیا تھا۔ اور اسی طرح عورت کہہ دیتی ہے کہ مجھ سے کیوں نکاح کیا تھا میں نے کب آپ کی منّت کی تھی۔ کسی اور اچھی عورت سے نکاح کیا ہوتا۔ یہ طعن نہایت غیر مہذب اور نہایت گنواری بات ہے۔ میاں بیوی میں ایسے طعنے ہرگز درمیان میں نہیں آنے چاہئیں۔ ایسے میاں بیوی ملنے مشکل ہیں جن کے مزاج میں ذرا بھی اختلاف نہ ہو۔ جب خوب چھان بین کرکے بھی نکاح کیا جاتا ہے تو اتنی بات حاصل ہوتی ہے کہ جو اہم صفات شوہر کو مطلوب ہوتی ہیں اُس صفات کی بیوی مل جاتی ہے اور اسی طرح جو اہم صفات زوجہ کو مطلوب ہوتی ہیں اُن صفات کا شوہر مل جاتا ہے۔ مگر ان مطلوبہ صفات کے ملنے پر بھی بہت سی صفات ایسی ہوتی ہیں جو ایک دوسرے کو پسند نہیں ہوتیں۔ اُن کی نسبت یہ امید کر لی جاتی ہے کہ چونکہ اصول مزاج میں اتفاق ہے اس لئے یہ جزوی اختلاف کچھ عرصہ بعد مزاج شناسی ہونے پر دور ہو جائینگے۔ لیکن جب یہ اختلاف دور نہیں ہوتے تب کبھی کبھی خفیف سا ملال پیدا ہو جایا کرتا ہے جس پر یہ کہنا کہ ہم ایسے تھے تو نکاح کیوں کیا نہایت ہی بیہودہ اور رذیلانہ جواب ہے۔

(۹) اگر شوہر ایسا ہو کہ اُس کی پہلی بیوی مرگئی ہو اور اب ازدواج ثانی کیا ہو تو اُس کو لازم ہے کہ اپنی زوجہ ثانی کے روبرو اپنی پہلی زوجہ کی تعریف کبھی نہ کرے زوجہ ثانی کو زوجۂ اول کی تعریف سُننا ہمیشہ ناگوار ہوتا ہے۔ شائد شوہر کی خاطر سے سُن کر چُپ ہو رہیں لیکن ہم نے یہ تو کبھی نہیں پایا کہ زوجۂ ثانی باوجود جاننے اس بات کے کہ زوجۂ اول اچھّے اوصاف کی عورت تھی کبھی اپنے مُنہ سے اُس کی تعریف کرے۔ ہم اتنی تو کس شمار میں ہیں یہ ہی جھیکنا سرور عالم کی ازواج مطہرات میں پڑا رہتا تھا۔ حضرت خدیجہ کی دردمندانہ خدمتگذاری اور دلی محبت اِس درجہ کی تھی کہ جناب رسول خدا اُس کو بھول نہ سکتے تھے اور ہمیشہ احسانمندی کے ساتھ اُس کو یاد کیا کرتے تھے۔ مگر جناب حضرت عائشہ صدیقہ حضرت خدیجہ کی تعریف سُن کر جل بھُن جاتی تھیں اور کہتیں کہ آپ اُس بڑھیل کی کیا تعریف کیا کرتے ہیں جس کے مُنہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ عورتوں میں ان خیالات کا ہونا تعجب کی بات نہیں۔ نہ محلِ شکایت۔ مردوں کو اپنے نفس پر غور کرنا چاہئے کہ اگر وہ کسی بیوہ سے ازدواج کریں اور وہ شوہر جدید کے روبرو شوہر اول کی تعریف کرے تو کیا مرد کو یہ بات پسندیدہ معلوم ہوگی؟ پس شوہر کو زوجہ اور زوجہ کو شوہر کے خیالات کا ضرور لحاظ رکھنا چاہئے۔ نکاح کے بعد شوہر و زوجہ کی زندگی اس قسم کی ہو جاتی ہے کہ اُس کو آرام سے گذارنے کے لئے دونوں میں سے ہر ایک کی خوشی لازم و ملزوم ہوتی ہے۔ لیکن زمانہ کے ڈھنگ اور ملک کے رواج نے کچھ ایسی اُفتاد ڈالی ہے کہ عورت کے ناخوش ہونے سے شوہر کو اس قدر تکلیف نہیں پہنچتی جس قدر شوہر کے ناخوش ہونے سے زوجہ کو پہنچتی ہیں

اس کی وجہ ظاہر ہے۔ مردوں نے بے غیرتی اور بے شرمی اختیار کرکے اپنے دل خوش کرنے کے ایسے ناپاک ذریعے پیدا کرلئے ہیں جن کو نیک سرشت عورتیں خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ اُٹھائیں اختیار نہیں کرسکتیں۔ ہم نے اس رسالہ میں مستورات کے جن حقوق پر زور دیا ہے اُس کو تسلیم کرنے والے اور خدا سے ڈر کر بیویوں کی حق رسی کرنے والے بہت کم نکلینگے۔ اِس لئے اِس زمانِ بے انصافی اور خودپسندی میں مستورات کو ہرگز صلاح نہیں دیتے کہ وہ ان حقوق پر خود زور دیں بلکہ وہ اپنے صبر پر قائم رہیں اور یقین کریں کہ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ہم مستورات کے لئے چند ہدایات لکھتے ہیں اگر وہ اُن پر کاربند ہونگی تو امید ہے کہ اپنے شوہروں کی نظر میں محبت اور الفت کی جگہ پائینگی۔ اور وہ اشارات ایسے ہیں جن کو سلف سے آج تک سب نے تسلیم کیا ہے۔ اور اکثر اُن کی خلاف ورزی ہی باعث رنجش شوہر ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ ہدایات یہ ہیں :۔

بیویوں کے لئے چند ہدایات

حدیث میں آیا ہے کہ نکاح ایک طرح کا لونڈی ہونا ہوتا ہے اور ایک اور حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اگر میں کسی کو یہ حکم کرتا کہ دوسرے انسان کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ شوہر کو سجدہ کرے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اَیُّمَا امراۃ ماتت وزوجھا عنھا راضٍ دخلت الجنۃ۔ کہ جو عورت ایسے حال میں مرے کہ اُس کا شوہر اُس سے ہر طرح پر خوش ہو وہ جنت میں داخل ہوگی۔ اِن احادیث سے بیویوں پر شوہروں کے تین بڑے

حقوق ثابت ہوتے ہیں اوّل اطاعت و فرمانبرداری جو اس درجہ کی ہونی چاہیئے جس قدر کوئی کنیز اپنے آقا کی کرتی ہے۔ دوم تعظیم و ادب جو اس قدر ہونا چاہیئے جس قدر خاوند حقیقی کا ہوتا ہے۔ سوم رضامند و خوش رکھنا اپنے شوہر کو جو ایسا درجہ ثواب کا رکھتا ہے کہ اُس کے عوض جنت ملتی ہے۔ پس ہر بیوی کو اپنے شوہر کی فرمانبرداری اور تعظیم اور محبت میں اعلےٰ درجہ کی سعی کرنی چاہیئے۔ اب ہم ان تینوں امور کی کسی قدر تشریح کرتے ہیں اور ان تینوں امور میں سے جو اور شاخیں نکلتی ہیں اُن کا بھی مختصر سا بیان کئے دیتے ہیں*

اوّل فرمانبرداری۔ اس کی تمثیل میں حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ایک شخص سفر کو گیا اور بی بی سے کہ گیا کہ بالاخانہ سے نیچے مت اُترنا۔ اور اُس عورت کا باپ نیچے رہتا تھا۔ اتفاقاً وہ بیمار ہوا۔ اُس عورت نے آنحضرت کی خدمت میں اجازت لینے کے لئے آدمی بھیجا کہ اپنے باپ کے پاس اُتروں۔ آپ نے فرمایا کہ اپنے خاوند کی اطاعت کر۔ اُس کا باپ مر گیا۔ پھر اُس نے اُترنے کی اجازت چاہی۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اپنے شوہر کی اطاعت کر۔ غرض اُس کا باپ دفن ہو گیا اور وہ نہ اُتری۔ آنحضرت نے کہلا بھیجا کہ اطاعت شوہر کے عوض خداتعالےٰ نے تیرے باپ کی مغفرت فرمائی*

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایک جوان عورت آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور پوچھا شوہر کا حق عورت پر کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر بالفرض شوہر کے سر سے پانؤ تک پیپ ہو اور عورت اُس کو چاٹے تب بھی اُس کا پورا شکر ادا نہ کر سکیگی۔ یہ حکایات امام حجتہ الاسلام نے لکھی ہیں جو اُن کی چشمدید نہیں ہیں۔ لیکن ہم نے خود ایک مصیبت زدہ

لڑکی دیکھی ہے جس کی پیاری ماں حالتِ نزع میں تھی اور بیٹی کے گھر کے بہت قریب رہتی تھی اور شوہر کی ممانعت کی وجہ سے وہ ماں کو دیکھنے نہ گئی۔ تھوڑی دیر میں اُس کی ماں مرگئی۔ اور اُس بدنصیب لڑکی نے کہلا بھیجا کہ مجھے آنے کی اجازت نہیں ہے مگر تم میری ماں کا جنازہ میرے دروازہ کے آگے سے لے جانا کہ میں اُس مسافر کو گذرتا دیکھ لوں۔ مگر اُس شمر منش شوہر نے جنازہ کے دیکھنے کی بھی اجازت نہ دی۔ جنازہ گھر کے آگے سے گذرا شور و فغاں گھر میں پہنچا۔ جسم کو قابو میں رکھا۔ ضبط کو کام میں لائی اور اپنی جگہ سے نہ سرکی مگر دل اور آنکھیں قابو میں نہ رہیں۔ چند آنسو اُس تقصیر وار کی آنکھوں سے نکل ہی پڑے۔ اِس پر اُس سفاک نے اُس مظلوم کو اِس بیدردی سے پیٹا کہ اب کہ چھ برس اس واقعہ کو ہوچکے ہیں نشاناتِ ضرب اُس مظلوم کے جسم پر نمایاں ہیں مگر اے مظلوم لڑکی تحسین ہے تیری اطاعت شوہری پر اور مرحبا تیری تربیت پر اور تیری تربیت کرنے والوں پر کہ تو نے ایک کلمہ برابری کا اُس ظالم کے حق میں حاضر و غائب کبھی نہ نکالا۔ ہم زمین پر تیری تحسین کرتے ہیں اور ملائک آسمان پر کرتے ہونگے۔ ایسے زبون اتفاقات شاذ و نادر پیش آتے ہیں۔ لیکن شوہر کی اطاعت بہرحال ضروری اور عورت کی بہتری کا سب سے عمدہ ذریعہ ہے۔ جن گھروں میں ناچاقیاں دیکھی جاتی ہیں وہاں عموماً اطاعت شوہر کی کمی پائی جاتی ہے۔ اس زمانہ کی بعض تعلیم یافتہ لڑکیاں اطاعت احکام شوہر کا دعوے کرتی ہیں مگر اس کے ساتھ معقول کی قید لگاتی ہیں۔ یعنے صرف اُن احکام کی اطاعت کرنے کا اقرار کرتی ہیں جو معقول ہوں۔ لیکن اگر پوچھا جائے کہ کس کی رائے میں معقول ہوں تو ضرور یہی جواب دینگی

کہ ہماری اپنی رائے ہیں۔ اندریں صورت یہ تعمیل احکام شوہر نہ ہوئی بلکہ اپنے دل کی خوشی کا کام ہوا۔ کہ اچھا لگا مانا۔ نہ اچھا لگا نہ مانا۔ پس اصل فرمانبرداری وہ ہے کہ شوہر کے حکم کو بغیر چون وچرا کے دلی خوشی کے ساتھ تسلیم کرے اور اگر اُس حکم کی خوشی میں بیوی کی دلی خوشی نہ بھی ہو تب بھی اپنی ناخوشی کا اظہار کرکے شوہر کے دل کو میلا نہ کرے۔ بہت سی بیویاں اپنے شوہر کے احکام کی تعمیل تو کرتی ہیں لیکن نہایت بیدلی کے ساتھ وہ اپنی صورت اور وضع اور آواز وغیرہ سے ایسا ظاہر کرتی ہیں کہ اُنہیں نہایت رنج ہے۔ کبھی کبھی وہ کئی کئی وقت کھانا نہیں کھاتیں۔ کبھی اپنا غصہ یوں ظاہر کرتی ہیں کہ بچوں کو ناحق پیٹنے لگتی ہیں۔ کبھی خدمتگاروں پر غضب نازل ہوتا ہے۔ کبھی سر میں درد اور کراہنا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ سب باتیں شوہر کو نہایت رنج دیتی ہیں اور چند دفعہ اس طرح کے ہونے سے رفتہ رفتہ اُس کے دل میں فرق آجاتا ہے۔ شوہر کو خوش کرنے کا ذریعہ سب سے عمدہ یہ ہی ہے کہ آنکھیں بند کرکے اُس کے حکم کی تعمیل بسروچشم کرے۔ اور اگر اُس کے بجالانے میں کوئی عذر ہو تو وقت مناسب پر جب شوہر کو اپنی طرف متوجہ پائے نہایت مناسب طور پر ظاہر کرے۔ شوہر کی اطاعت کی تاکید اس سے زیادہ کیا ہوگی کہ اللہ تعالےٰ نے اجازت دی ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر بدمزاج ہے اور وہ کھانے کے نمک تیز یا پھیکا ہونے پر تکرار کرتا ہے تو وہ عورت فرض روزہ میں نمک چکھ لیا کرے۔ گویا خدا کی نظر میں روزہ فرض کا مکروہ ہو جانا بُرا نہیں لیکن بدمزاج شوہر کا ناخوش ہونا منظور نہیں۔ اور نفل روزہ اور نماز میں تو یہ صاف فرمایا گیا ہے کہ بلا اجازت شوہر یہ عبادت قبول ہی نہیں ہوتی ۔

دوم ادب و تعظیم - جسکی اطاعت کا اِس قدر تاکید سے حکم دیا گیا اُس کی تعظیم کی کیا حد و نہایت ہو سکتی ہے - گویا خاوند مجازی نمونہ قرار دیا گیا ہے خاوند حقیقی کا عورتوں کو اپنی ہر بات اور حرکات میں اس کا نہایت لحاظ رکھنا چاہئے - یہ سچ ہے کہ باوجود تمام تر کوشش کے میاں بیوی میں جزوی باتوں میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے لیکن اُس کے اظہار میں کمال ادب کو کام میں لانا چاہئے - مثلاً اگر شوہر نے کوئی بات ایسی کہی جس کو عورت صحیح نہیں سمجھتی - تو عورت کو یوں کہنا ہرگز مناسب نہیں کہ تم جھوٹ کہتے ہو - بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ آپ کا فرمانا بسر و چشم مگر میری سمجھ میں یہ نہیں آیا - یا یہ کہ میں تعمیل کو حاضر ہوں لیکن کہیں یہ قباحت پیدا نہ ہو - یا یہ کہ اس کی بجائے یوں ہو تو کیسا ہے - ہم نے ایک تعلیم یافتہ لڑکی کو دیکھا ہے کہ جب وہ اپنے شوہر سے اختلاف کرتی تھی اور اُس کا شوہر اُس کی وجہ دریافت کرتا تو وہ کہتی کہ میں آپ کی زباں درازی کا کیا جواب دوں - اس سے زیادہ نامعقول اور شوہر کو آزردہ کرنے والی حرکت بیوی کی اور خصوصاً تعلیم یافتہ کی کیا ہو سکتی ہے - بعض بیویوں کا ایک اور دستور ہے - وہ اپنے شوہر کا یوں تو ہر حال میں ادب کرتی ہیں مگر جب اُن کے ہاں کوئی اور بیبیاں آجاتی ہیں تو وہ اُن کے روبرو شوہر سے کسی قدر شوخی سے گفتگو کرتی ہیں تاکہ اور بیبیاں دیکھیں کہ ہم نے اپنے شوہر کو کس قدر اپنے قابو میں کر رکھا ہے - یہ نہایت ہی نالائق عادت ہے - نیک بیبیوں کو بالکل اس کے برعکس طریق اختیار کرنا چاہئے - یعنے معمولی حالات میں گو شوہر کی تعظیم میں کچھ کوتاہی ہو جاتی ہو تو ہو مگر اور لوگوں کے روبرو تعظیم میں جس قدر مبالغہ ہو تھوڑا ہے - لڑکی کے لئے یہ بہت نیکنامی اور سعادتمندی ہے

کہ وہ اپنے شوہر کی عزت کرنے میں اور تابعدار ہونے میں مشہور ہو نہ یہ کہ شوہر کو اپنا تابعدار بنانے میں مشہور ہو۔ یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ عورت جس قدر اپنے شوہر کی تابعداری کریگی اُسی قدر اُس کے دل میں اُسکی جگہ ہوگی اور وہ خود بیوی کا تابعدار بنتا جائیگا۔ پس شوہر کی تسخیر کا اصل عمل یہ ہے کہ دل وجان سے اُس کی فرمانبردار بنے۔

سوم محبت۔ یہ پہلے دو وصفوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ بیوی وہی ہے جس کے محبت بھرے الفاظ شوہر کے دل سے دنیا کی کدورتوں اور کلفتوں کا غبار زائل کرتے ہیں اور اُس کے متفکر دل سے تشویش ہٹا کے شگفتگی بخشتے ہیں۔ ضرور ہے کہ عورت کی تمام حرکات سکنات محبت والفت شوہری سے لبریز ہوں۔ ایک بزرگ نے اپنی بیٹی کی شادی کے وقت جو نصیحت اُس کو کی تھی وہ نہایت دلچسپ ہے اس نے کہا کہ "بیٹی جس گھر میں تو پیدا ہوئی تھی اُس سے اب تو نکلتی ہے۔ ایسے بستر پر جاتی ہے جس سے تو واقف نہ تھی۔ ایسے آدمی کے پاس رہیگی جس سے پہلے سے الفت نہ تھی۔ تو بیٹی تو اس کی زمین بننا وہ تیرا آسمان بنیگا۔ تو اُس کے آرام کا خیال رکھنا وہ تیرا دل آرام بنیگا۔ تو اُس کی لونڈی ہونا وہ ازخود تیرا غلام بنیگا۔ اپنی طرف سے اُس کے پاس مت جانا کہ وہ تجھ سے نفرت کرے اور نہ اُس سے دور رہنا کہ تجھ کو بھول جائے۔ بلکہ اگر وہ تیرے پاس آئے تو اُس کے قریب رہنا۔ اور اگر علیحدہ رہے تو دور رہنا اُس کے ناک کان آنکھ سب کا ادب کرنا اس طرح سے کہ تجھ سے بجز خوشبو کے اور کچھ نہ سونگھے۔ اُس کے کان جب سُنیں تب اچھی بات سُنیں۔ اُس کی آنکھیں جب دیکھیں تب اچھی بات دیکھیں"۔

اس خالص اور بے غرضانہ محبت کا اس زمانہ کی عورتوں میں وجود نہیں۔ اُن کی محبت والفت کا تھرمامیٹر زیور اور لباس ہے۔ جتنی یہ چیزیں بڑھتی ہیں اُتنا ہی محبت کا درجہ بڑھتا ہے۔ جتنی ان میں کمی ہو محبت والفت بھی گھٹتی جاتی ہے۔ کہنے کو تو عورتیں کہہ دینگی کہ نہیں نہیں ہمیں شوہر سے نہایت سچی الفت ہے اور شوہر کے ہوتے کسی چیز کا ہمیں مطلق خیال نہیں لیکن وہ دل میں سوچیں کہ جب اُن کی کوئی ادنےٰ سی فرمائش پوری نہیں کی جاتی تو اُن کی طبیعت کی کیا حالت ہوتی ہے۔

محبت ایسا وسیع وصف ہے جس میں متعدد اوصاف بیوی کے شامل ہو جاتے ہیں یعنے وہ جملہ اوصاف جو محبت پر مبنی ہیں مثلاً:۔

(ا) عورت کا فرض ہے کہ جب سے وہ شوہر کے گھر آئے وہ اُس کے خصائل وعادات سے واقفیت اور مزاج شناسی حاصل کرے۔ وہ خوب دھیان سے دیکھے کہ وہ کن کن امور کو پسند کرتا ہے۔ کن کن سے ناخوش ہوتا ہے۔ پھر دیکھے کہ میری عادت اپنے شوہر سے کن کن باتوں میں ملتی ہے اور کن کن باتوں میں نہیں ملتی۔ غرض شوہر کی خوشی کی باتیں معلوم کر کے اُن کو اپنا دستور العمل ٹھہرائے۔ بعض شوہر اپنی بیوی کا لحاظ کر کے اُن کی عادات پر نکتہ چینی نہیں کرتے۔ لیکن اور گھروں کی عورتوں کے حالات بیان کرنے میں کسی بات کو اچھا بتاتے ہیں اور کسی بات کو بُرا۔ شوہر کے ایسے اشارات کو ہدایات سمجھنا چاہیئے۔ شوہر جس عورت کی تعریف کرے تو معلوم کرنا چاہیئے کہ کس وصف کی وجہ سے اُس کی تعریف کی جاتی ہے پھر اُس وصف کو اپنے آپ میں پیدا کرنا چاہیئے۔

(۲) محبت کا مقتضاء رازداری بھی ہے۔ بیوی کو چاہئے کہ اپنے شوہر کے رازوں کو بغیر اُس کی اجازت کے کبھی افشا نہ کرے۔ شوہر کے راز کو افشاء کرنا نہایت بُری عادت ہے اور بعض اوقات اس سے شوہر کے دل میں ایسی بُرائی بیٹھ جاتی ہے کہ عمر بھر نہیں جاتی۔ بعض بیویاں یوں تو افشاء راز نہیں کرتیں لیکن اگر کسی بات پر ناچاقی ہوجاے تو وہ سب کے روبرو کہدیتی ہیں کہ فلاں بات یوں نہ تھی ؟ اور شوہر کو اس طرح کا کہہ دینا سخت ناگوار گذرتا ہے۔ ایسی حالت میں سخت ضبط کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور اس طرح کے افشاء سے بعض دفعہ نہایت خطرناک اور لاعلاج خرابیاں پیدا ہوجایا کرتی ہیں اور پھر تمام عمر اُن کا تدارک نہیں ہوسکتا۔

(۳) خانہ داری۔ کیا بمقتضاے محبت اور کیا بلحاظ اصل فرض زوجہ خانہ داری وہ چیز ہے جس سے عورت کے جملہ اوصاف کا امتحان ہوتا ہے۔

خانہ داری میں زیادہ تر یہ امور داخل ہیں :-

(۱) کھانا پکانے کا اعلےٰ درجہ کا سلیقہ ہونا

(۲) سینا پرونا ہر قسم کا

(۳) ہر چیز کو اپنے موقعۂ مناسب پر رکھنا

(۴) ہر چیز کو اُجلا اور صاف رکھنا

(۵) ہر بات میں کفایت شعاری مدنظر رکھنا

کھانا پکانے کی نسبت صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ یہ ہدایت صرف اُن مستورات کے

لئے ہی نہیں ہے جو بوجہ عدم استطاعت ماما نہیں رکھ سکتیں - بلکہ امیر سے امیر گھر کی بہو بیٹی بغیر اس ہنر کے سلیقہ مند شمار نہیں ہوتی - اُن کو اس قسم کا کمال حاصل ہونا چاہئے کہ ماماؤں کی ہر غلطی کو پکڑ سکیں اور اصلاحِ مناسب کر سکیں - اور یہ ہی بات سینے پرونے کی نسبت سمجھنی چاہئے ✦

ہر چیز کو موقعہ پر رکھنا یہ ایسا وصف ہے کہ تمام گھر کی زیبائش اور خود اپنی آرائش اسی سلیقہ پر منحصر ہے - اور اسی طرح ہر چیز کے اُجلے اور صاف رکھنے کی نسبت سمجھنا چاہئے جن عورتوں کو اچھا کھانا پکانا نہیں آتا اور مہمانوں وغیرہ کے آنے پر اُن کے شوہروں کو اور لوگوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے یا جو سینے پرونے کا سلیقہ نہیں رکھتیں یا جن کے گھر میں ہر چیز بے قرینہ پڑی پائی جاتی ہے - یا ہر چیز میلی دیکھی جاتی ہے اُن کے صفائی پسند شوہر ہمیشہ اُن سے ناراض رہتے ہیں - کفایت شعاری کی نسبت کسی قدر تشریح ضرور ہے - خرچ کے باب میں اس قسم کا اعتدال چاہئے کہ نہ تو اسراف ہو جائے اور نہ بخل و کنجوسی کے درجہ کو پہنچ جائے - میانہ روی عمدہ چیز ہے ✦

عموماً عورتوں میں ریس کی بڑی عادت ہوتی ہے - جب اُن کے ہاں کوئی عورت ملنے آتی ہے تو جو نیا لباس یا زیور - اُس کے پاس دیکھتی ہیں اُس کی فرمائش اپنے شوہر سے کرتی ہیں - یہ بھی خیال نہیں کرتیں کہ جن عورتوں کے پاس فلانی چیز دیکھی ہے اُن کے پاس بہت سی وہ چیزیں نہیں ہیں جو ہمارے پاس ہیں - نہ اُس چیز کے شوق میں شوہر کے اخراجات کا خیال کرتی ہیں - سب سے مقدم یہ امر ہے کہ عاقبت اندیشی

اختیار کی جاے ۔ زندگی موت کا اعتبار نہیں ۔ بیماری صحت انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے
ہر حال میں ایسا طریق اختیار کرنا چاہئے کہ جو آمدنی شوہر کی ہو اُس کا ایک حصہ خاص پس انداز
ہوتا رہے کہ وقت ضرورت کے کام آئے ۔ بعض بیبیاں اصل سرمایہ اور آمدنی میں فرق
نہ کرکے یہ کہنے لگتی ہیں کہ اس قدر تو سرمایہ ہے حالانکہ آمدنی واقعی بہت ہی کم ہوتی ہے
پس خرچ کا اندازہ آمدنی سے کرنا چاہئے نہ کہ سرمایہ سے ۔ بیبیوں کو خیال کرنا چاہئے کہ اُن کا
شوہر کس محنت اور تکلیف سے روپیہ کماتا ہے ۔ جس تکلیف سے وہ اُس روپیہ کو پیدا کرتا
ہے اُسی دردمندی کے ساتھ اُس کو خرچ کرنا چاہئے ۔ بجا اور بے جا خرچ کی شناخت کے
لئے یہ اصول مقرر کرنا چاہئے کہ جب کوئی چیز بنوانی یا خرید کرنے کا ارادہ ہو اُس وقت
یہ دیکھا جاے کہ اگر یہ چیز گھر میں نہ ہو تو کچھ ہرج یا قباحت ہے یا نہیں ۔ اگر کوئی ہرج یا قباحت
نہو تو جانو کہ یہ چیز فضول ہے اور روپیہ کو ایسے فضول طور پر ضایع کرنے سے بچانا چاہئے ۔
اِس زمانہ میں آرام طلبی اور عیش پسندی کے سامان زیادہ ہوتے جاتے ہیں جن کی حقیقت
میں کوئی ضرورت نہیں ہوتی پس اُن کے طلب میں ہرگز نہیں پڑنا چاہئے ۔ بیوی کو
کفایت شعاری کے لحاظ سے ہر چیز کا حساب رکھنا چاہئے اور خصوصًا خاص اپنے
اخراجات کا اور شوہر کے اخراجات کا تاکہ اُس کو ہمیشہ یہ بات یاد رہے کہ خاص میری
ذات کے لئے کس قدر خرچ کی ضرورت ہے اور اُس میں بغیر اشد ضرورت کے زیادتی
نہ ہو اور یہ بھی خیال رہے کہ عمدہ سے عمدہ انتظام کر لینا آسان ہے لیکن کمانا بہت
مشکل ہے ۔ پس انتظام کرنے والے کے اخراجات کمانے والے کے اخراجات سے

زیادہ نہیں ہونے چاہئیں - یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جس طرح اپنی حیثیت اصلی سے اُتر کر گھٹیا طریق زندگی اختیار کرنا خسّت اور کنجوسی کہلاتا ہے اِسی طرح اپنی حیثیت سے بڑھ کر بڑے آدمیوں کی رِیس کرنا اور اُن کا سا لباس اور طریق معاشرت اختیار کرنا اوچھا پن کہلاتا ہے اور ایسا کرنے والوں پر لوگ گو سامنے کچھ نہ کہیں لیکن پیٹھ پیچھے ضرور ہنستے ہیں۔ ہماری قوم کے شرفا کے دستور کے موافق متوسط اور اعلےٰ درجہ کے لوگوں کا اور اُن کی مستورات کا باہم مِلنا مِلانا ایک عام بات ہے - دس روپیہ کا محرر ڈپٹی کلکٹر سے مِلتا ہے اور اِسی طرح اُن کی بیویاں بھی باہم مِلتی جُلتی ہیں۔ اب اگر ایک ادنے محرر کی بیوی ایسے عہدہ داروں کی بیویوں کی رِیس کرنے لگے تو قطع اس کے کہ وہ اپنے شوہر کے لئے بلائے جان بننا چاہتی ہے وہ اپنی جگ ہنسائی کرواتی ہے ۔

زمانہ کی مُسرفانہ وضع اور فضول خرچی کے فیشن نے یہ حال کر رکھا ہے کہ متوسط الحال شریف لوگ جو لٹھہ اور نین سُکھ پہنتے ہیں وہ ہی لباس بھنگی پہننے لگے ہیں۔ شرفا میں اتنی استطاعت نہیں کہ اُن سے تمیز قائم کرنے کے لئے اپنے لئے زیادہ بیش بہا اور فاخرہ لباس پہنیں۔ پس اپنی حیثیت جانچنے میں یہ غلطی کبھی نہیں ہونی چاہئے کہ جب فلانی عورت جس کا شوہر ہمارے شوہر کی نسبت کم استطاعت رکھتا ہے ایسا لباس و زیور رکھتی ہے تو ہم اُس سے زیادہ یا اُس کی برابر کیوں نہ رکھیں ۔

خانہ داری کے متعلق سب سے ضروری اور سب سے مقدم یہ امر ہے کہ شوہر کے لئے جس کی ذات پر کل گھر کا آرام منحصر ہے عمدہ مفید صحت اور مقوی غذا کا انتظام کرے

اِس زمانہ میں کہ دماغی محنتیں بڑھتی جاتی ہیں اگر کوئی عورت اپنے شوہر کے اس ضروری فرض کو ترک کرتی ہے تو گویا وہ اپنے شوہر کو خود جان بُوجھ کر مارتی ہے۔ تعلیم یافتہ شخصوں کی اشتہائیں اس زمانہ میں عموماً بگڑی ہوتی ہیں اُن کے لئے ایسی غذا کی ضرورت ہے جو مقدار میں کم اور غذائیت میں زیادہ ہو۔ اور تھوڑے تھوڑے اوقات معینہ کے بعد مثلاً دن میں تین یا چار دفعہ ملنی چاہئے۔ ہر بیوی کو اپنے شوہر کے مزاج سے اس باب میں پوری آگاہی حاصل کر کے اُس پر نہایت پابندی کے ساتھ کاربند ہونا چاہئے +

خانہ داری کے متعلق ملازموں کا انتظام بھی ہے۔ جن لوگوں کو خدا نے ملازم رکھنے کی استطاعت دی ہے اُن کی اہلخانہ کو چاہئے کہ جو ملازم رکھیں اُس کی دیانتداری اور نیک چلنی کا خوب اطمینان کر لیں۔ نوکروں کے باب میں بعض خانہ داریوں میں یہ جھگڑا اُٹھا کرتا ہے کہ کسی خاص خادمہ یا خادم کو بیوی رکھنا چاہتی ہے مگر شوہر کسی وجہ سے رکھنا نہیں چاہتا۔ یا شوہر رکھنا چاہتا ہے مگر بیوی رکھنا نہیں چاہتی۔ یہ امر بعض دفعہ سخت رنجش کا موجب ہوتا ہے۔ بیوی کو چاہئے کہ شوہر کی رضامندی کو مقدم سمجھے اگر بیوی شوہر کی رضامندی کے خلاف کسی نوکر کو رکھتی ہے تو گویا وہ عملاً یہ ظاہر کرتی ہے کہ اُس نوکر کی دلجوئی شوہر کی دلجوئی سے زیادہ ضروری ہے۔ جس سے شوہر کی عزت و ادب سب کو سخت صدمہ پہنچتا ہے بلکہ شوہر کی نظر جس ملازم سے ذرا پھری ہوئی پائی جاوے تو فوراً شوہر سے دریافت کرنا چاہئے کہ آیا اس کے رکھنے میں آپ کی ناخوشی تو نہیں ہے +

ایک اور خفیف سا امر ہے جس کی طرف اگر وقت پر توجہ نہ کی جاے تو سخت رنجش تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعضے وقت شوہر بیوی کو کسی کام کے لئے کہتا ہے اور وہ سستی سے یا غفلت سے یا کسی اور وجہ سے اُس کام کی سرانجام دہی میں دیر کر دیتی ہے تو شوہر اُس کام کو جو حقیقت میں عورتوں کے ہی کرنے کا ہوتا ہے مثلاً بچوں کا مُنہ ہاتھ دھونا یا کپڑے بدلوانا اپنے ہاتھ سے کرنے لگتا ہے۔ اور اُس سے یہ جتلانا مقصود ہوتا ہے کہ چونکہ بیوی نے اِس کام کو نہیں کیا ہے اس لئے لاچار اُس کو خود کرنا پڑا ہے۔ یا خود کرنے کی بجاے وہ کسی اور عزیز سے اُس کام کو کرواتا ہے۔ اس قسم کے معاملے ابتدا میں بہت چھوٹی سی بات ہوتے ہیں بیوی کو لازم ہے کہ اگر کوئی کام جو خود اُس کے اپنے کرنے کا ہے اپنے شوہر کو کرتا دیکھے خواہ اُس نے اُس کے لئے بیوی کو کہا ہو یا نہ تو اُس سے نہایت معذرت کے ساتھ لے لے اور کہے کہ جب میں موجود ہوں تو آپ خود کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ یا اگر شوہر اس سے پہلے اُس کے کرنے کے لئے کہہ چکا ہے تو عذر کرنا چاہئے کہ میں بھول گئی تھی یا مجھے خیال نہ رہا تھا ورنہ میں کیوں اس کام کو نہ کرتی۔ لیکن اگر بیوی اس ذرا سے معاملہ پر سکوت کریگی یا شوہر کے اس طرح کام کرنے کو اُس کا شوقیہ کام سمجھ لیگی تو یہ اُس کی سخت غلطی ہوگی۔ اور شوہر کے دل میں کدورت اور رنج بٹھانے کا باعث ہوگی *

شوہر و زوجہ کے درمیان رنجش کی وجہ زوجہ کے تعلیم یافتہ ہونے کی حالت میں کبھی یہ بھی ہوتی ہے کہ زوجہ کسی خفیہ پتہ پر اپنے عزیزوں سے خط و کتابت رکھتی ہے

جس سے شوہر کو طرح طرح کے شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ شوہر و زوجہ کا رشتہ اتحاد اور آپس کے پورے اعتماد کا ہے۔ اس حالت میں زوجہ کو کوئی خط و کتابت بلا اجازت و علم شوہر نہیں کرنی چاہئے۔ اور سب سے بہتر انتظام یہ ہے کہ زوجہ ہمیشہ اپنے خطوط کھلے لفافہ میں شوہر کے حوالہ کرے۔ لیکن اگر بدقسمتی سے آپس میں اس قدر اتحاد و اعتماد نہ ہو تب شوہر کو بھی ہرگز زوجہ کے خطوط کے دیکھنے کے درپے نہیں ہونا چاہئے۔ اس کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ اُس کی زوجہ کسی اَور خفیہ پتہ پر خط و کتابت کریگی جو زیادہ بدنامی کا موجب ہے پس شوہر کو ایسے حالات میں اپنے طریق عمل سے یقین دلا دینا چاہئے کہ وہ اُس کے خطوط کے دیکھنے کے درپے نہیں ہے۔ اور بیوی کی اس بے اعتمادی پر صبر کرے ❖

سب سے اخیر نصیحت یہ ہے کہ ان فرائض میں سے اگر کچھ کوتاہی ہو جاے مثلاً ترک ادب۔ یا ترک اطاعت۔ یا کوئی امر خلاف محبت تو بیوی کو لازم ہے کہ جس قدر جلد ممکن ہو اپنے شوہر سے اُس فروگذاشت کی بابت معذرت طلب کرے۔ اگر کوئی کلمہ اراداتاً یا سہواً یا غصہ میں مُنہ سے خلاف شان شوہر نکلا ہو اور شوہر باوجود اُس کے خوش نظر آتا ہو تو اُس کی خوشی پر پھولنا نہیں چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ اُس کلمہ کی نسبت جب تک تم معذرت نہ کروگی شوہر کے دل میں ضرور کھٹکتا رہیگا۔ معذرت کے طلب کرنے میں کبھی شرم نہیں کرنی چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ یہ شرم ایسی مضر نہیں ہے جیسا شوہر کے دل میں کسی رنجش کا جاگزین رہنا۔ بعض عورتیں جو بہت ہوشیار

ہوتی ہیں ایک اور طریق معذرت کا اختیار کرتی ہیں کبھی تو وہ یہ کرتی ہیں کہ شوہر کو غصہ میں
جو چاہیں کہہ لیتی ہیں۔ پھر اُس کی معذرت تو طلب نہیں کرتیں لیکن اور ذرا ذرا سی نکمّی بات پر
یہ کہتی رہتی ہیں کہ اگر اس میں کچھ گستاخی ہو تو معاف فرمانا تاکہ شوہر یہ سمجھے کہ وہ بات جو گستاخی کی
کہی گئی تھی محض ناسمجھی سے کہی گئی تھی کیونکہ اگر ناسمجھی نہ ہوتی تو یہ ضرور معذرت طلب کرتیں اس لئے
کہ یہ اُس سے بھی ادنیٰ ادنیٰ بات میں معافی طلب کرتی ہیں۔ مگر ہوشیار شوہر اس چال کو سمجھ لیتے
ہیں۔ پس یہ طریقہ شوہر کے ساتھ ہرگز ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ کبھی عورتیں یہ جان کر کہ شوہر
معذرت سے خوش ہو جاتا ہے یہ کرتی ہیں کہ دیگر مستورات کے روبرو شوہر کو سب کچھ کہہ لیتی ہیں
اور پھر تنہائی میں معذرت طلب کر لیتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ اپنی ہمچشم عورتوں میں بھی ہم نے
سُرخروئی حاصل کر لی اور شوہر پر قابو رکھنے والی نام پالیا اور دو حرف سے شوہر کو بھی خوش
کر لیا۔ مگر کوئی شوہر ایسی معذرت سے دل میں خوش نہیں ہوتا۔ بلکہ اُس کا دل بیوی سے بالکل بیزار ہو جاتا ہے +

اے معزز بیبیو اور اے میری پیاری بہنو اگر تم ان چند اشارات پر توجہ کرو گی اور اُن
ہدایات پر چلو گی جن کو میں نے اپنے ہم نوع اشخاص سے سُن کر اور معلوم کر کے لکھا ہے اور
اپنے میں وہ اوصاف پیدا کرو گی جن کا میں نے مختصراً ذکر کیا تو یہ ہی اوصاف شوہر میں از خود
پیدا ہو جائینگے۔ تم دل وجان سے اُن کی تعظیم کرو گی تو وہ بھی دل سے تمہارا ادب کرینگے۔
تم اُن کا حکم بے نکتہ چینی بجا لاؤ گی اور بے چون وچرا تعمیل کرو گی تو وہ بھی تمہاری فرمائشوں
کو شوق دلی سے پورا کرینگے۔ تم اُن کو پورے دل سے چاہو گی تو وہ بھی تمہارے تابعدار
بنے رہینگے +

